

قاسم العلوم والخیرات حجۃ الاسلام والامام محمد قاسم النانوتوی
بانی دارالعلوم دیوبند
اور اکابر امت کے علوم و افکار کا نقیب

ماہنامہ

# ندائے دارالعلوم وقف دیوبند

**NIDA-E-DARUL-ULOOM WAQF**
**DEOBAND**

مدیر اعلیٰ
حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب دامت برکاتہم

دفتر ماہنامہ
ندائے دارالعلوم وقف دیوبند
ضلع سہارنپور، یوپی (انڈیا)

قاسم العلوم والخیرات حجۃ الاسلام والامام محمد قاسم النانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند

اور اکابر امت کے علوم وافکار کا نقیب





جلد نمبر ۱۴ رجب المرجب ۱۴۴۴ھ مطابق فروری ۲۰۲۳ء شمارہ نمبر ۷


## مدیر اعلیٰ

حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی دامت برکاتہم

مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

**مدیر :**

مولانا ڈاکٹر محمد شکیب قاسمی

نائب مہتمم: دارالعلوم وقف دیوبند

ڈائریکٹر: حجۃ الاسلام اکیڈمی دارالعلوم وقف دیوبند

**مدیر مسئول :**

مولانا عبداللہ ابن القمر الحسینی

ناظم: شعبۂ نشر واشاعت

دارالعلوم وقف دیوبند

| شرح خریداری | |
|---|---|
| فی شمارہ ........ | ۲۵/روپے |
| سالانہ علاوہ ڈاک خرچ ........ | ۲۵۰/روپے |
| سالانہ مع ڈاک خرچ ........ | ۳۲۵/روپے |
| تاعمر ........ | ۵۰۰۰/روپے |

◯ اس دائرہ میں سرخ نشان علامت ہے آپ کی مدت خریداری مکمل ہوچکی، رسالہ جاری رکھنے کے لئے دفتر سے رابطہ کریں۔


**شائع کردہ :** شعبۂ نشر واشاعت، دارالعلوم وقف دیوبند، سہارنپور (یوپی)

MONTHLY NIDA-E-DARUL ULOOM WAQF DEOBAND

SAHARANPUR (U.P.) INDIA PIN : 247554

Website: www.dud.edu.in / Email : nidaedarululoom@gmail.com

# اس شمارے میں

## اداریہ



## بحث و تحقیق



## مقالات و مضامین



## نقد و نظر



## خبر نامہ




ماہنامہ ''ندائے دارالعلوم'' دارالعلوم وقف کی ویب سائٹ پر بھی پڑھا جاسکتا ہے۔ Website: www.dud.edu.in

نوٹ: خریدار حضرات رسالہ سے متعلق ضروری معلومات کے لئے اوقاتِ دفتر ۸ تا ۲ بجے ہی رابطہ کریں۔ +91 8439512767, +91 8439412767

**اداریه**

# دین فطرت ہی یقین کی طاقت ہے

حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب مدظلہٗ ❖

چاند اور سورج کی نورانی وجود پر مستزاد یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ مذاہب عالم میں دین اسلام ہی وہ منفرد دین ہے جس کو دین فطرت ہونے کا اعزاز اور دعوی داری کا حق حاصل ہے کیونکہ لفظ فطرت اپنے معنی ومفہوم کے تناظر میں ایک ایسا وسیع الجہت لفظ ہے جس کی تشریح کو مختلف علوم وفنون سے تعلق رکھنے والے اصحاب علم نے اپنے اپنے زاویہ فکر و دلائل سے مقاصد پر منطبق کیا ہے، موضوع زیر تحریر کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے ہم فطرت کے قرآنی تصور کو سمجھیں کیونکہ یہ لفظ لغوی اعتبار سے متعدد معانی ومفاہیم کو محیط ہے بایں ہمہ لفظ فطرت جب دین سے ہم آہنگ ہوکر سامنے آتا ہے تو اس سے دین اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا مذہب مراد ہو ہی نہیں سکتا ہے کیونکہ منجملہ وسعت مفاہیم کے دین فطرت ہونے کے معنی یہ بھی ہیں کہ ایسا دین جس کے ضوابط وقوانین غیر متبدل ہونے کے ساتھ ساتھ انسان کی خالص جبلت وسرشت سے بایں طور پیوست ومربوط ہوں جس کے توثیقی شواہد کا علیٰ وجہ البصیرت عقل وشعور اور فکر و فہم کی سطح پر بھی رد وانکار ممکن نہیں ہے جس کی تعلیمات کا دائرہ اس قدر ہمہ رخ وہمہ گیر اور وسیع الجہت ہے کہ دنیا میں انسان کے لمحۂ نمود و پیدائش سے لیکر اس کے وقت رخصت تک کوئی ایک بھی جز ومسئلہ اور گوشۂ حیات ایسا نہیں ہے جو کلی یا جزوی اعتبار سے اسلام کے دائرۂ ہدایت سے خارج ہو نیز جو اپنی تخلیقی اہمیت اور دائرۂ عمل کے اعتبار سے اس قدر لازمی ہو کہ بلحاظ اس کو مدار حیات روحانی یا جسمانی کا درجہ حاصل نہ ہو اگرچہ کسی بھی مرحلۂ حیات سے متعلق معاملہ بادیٔ النظر میں کتنا ہی غیر اہم کیوں نہ ہو کہ عام حالات میں ذہن کا اس کی جانب منتقل ہونا بھی محال ہو، یا اپنی نوعیت کے اعتبار سے دینی ہو کہ دنیاوی، تہذیبی ہو کہ تمدنی، انفرادی ہو کہ اجتماعی، عائلی ہو کہ قبائلی، معاشی ہو کہ معاشرتی، اقتصادی ہو کہ تجارتی، ملکی ہو کہ ریاستی، علیٰ ھذا القیاس

---

❖ مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند
مدیر اعلیٰ ماہنامہ ندائے دارالعلوم وقف دیوبند

معمولی یا غیر معمولی کوئی مسئلہ حیات ایسا نہیں ہے جس کے لیے تعلیمات اسلام میں ہدایت یا راہنمائی کا پہلو تفصیلاً یا مجملاً موجود نہ ہو، خواہ خدا اور بندۂ خدا کے درمیان ربط عبادات کے معاملات ہوں یا دنیا میں حیات انسانی کی کسی بھی نوع کا معاملہ ہو یا پھر انسان کی فطرت کے وہ بنیادی اجزائے لازم جن کا تعلق بہر لمحہ ولحظہ از قسم روحانی یا از قسم مادی ہمہ جہت ترقی کی تلاش وجستجو کے راستے سے نت نئے نتائج تک رسائی حاصل کرتے رہنا ہو غرض کہ کوئی ایک وقفۂ حیات بھی ایسا نہیں ہے جو اسلامی اصول ہدایات اور راہنمائی کے دائرۂ عمل سے باہر ہو یا انسان کی طبعی اور تکوینی خاصیات سے خارج ہو یا جس کے وجدانی ادراک کی صلاحیت کسی انسان میں موجود نہ ہو، اور یہ حقیقت بایں معنی کسی بھی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کیونکہ ان کا تعلق مسلمات عقل اور وجدانیات سے ہے، البتہ موضوع مطلوب سے قبل فطرت انسانی اور فطرت دینی کے باہم خُلقی ربط کے تجزیاتی خلاصہ کی تحلیل ضروری ہے تاکہ دعویٰ کی مجلی حقیقت پیش نظر رہے، دین اسلام میں فطرت سے مراد دراصل انسان کے اندر ودیعت شدہ وہ خُلقی صلاحیت واستعداد ہے جو حقائق واشیاء کو خالص قدرتی اور حقیقی رنگ وآہنگ میں قبول کرتی ہے، اگرچہ خارجی سطح پر فطرت وسرشت کے برخلاف اضدادی قوتیں بھی برسر عمل ہیں اور وہ بھی فطرت کے اظہار کے لازمی اجزاء سے ہی تعلق رکھتی ہیں اسی لیے مبنی برحقیقت مثل معروف ہے ''تعرف الاشیاء باضدادھا'' کہ کسی بھی شئے کی ماہیت وحقیقت تک رسائی کا راستہ اس کی ضد سے ہی ہو کر گذرتا ہے، مثلاً نور اپنی ماہیت وحقیقت کے اعتبار سے اس وقت تک غیر معروف ہے جب تک اس کے بالمقابل ظلمت کا وجود نہ ہو، سفید کا امتیاز کالے رنگ کا مرہون منت ہے، اولیاء اللہ کے اختصاصات اس وقت تک پردۂ خفا کا حصہ رہیں گے جب تک اس کے بالمقابل اولیاء الشیطان کی دروغ بافیاں برسر عمل نہ ہوں، اشیائے عالم ہوں کہ ذوالارواح مخلوقات عالم ہوں سب میں جاری خُلقی قوانین کا نام ہی فطرت ہے، علی سبیل المثال آگ کی فطرت جلانا ہے اور پانی کی فطرت سیلان کی مرہون منت ہے جن کو باہم ایک دوسرے سے بجز امر الٰہی کے جدا کرنا ممکن ہی نہیں ہے خالق فطرت چاہے تو نار گلزار بن جائے اور وہی چاہے تو موسیٰ علیہ السلام کو فرار کا راستہ دینے کے لئے پانی کی سیلانی فطرت کو اس سے منفصل کردے۔

اندریں صورت اسی داخلی اور خارجی کشمکش کے منطقی اثرات کی جانب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی فیصلہ کن اہمیت کا حامل ہے، ''کُلُّ مَوْلُودٍ یُولَدُ عَلَی الفِطْرَۃِ، فَأَبَوَاہُ یُھَوِّدَانِہِ، أَوْ یُنَصِّرَانِہِ، أَوْ یُمَجِّسَانِہِ'' کہ ہر ایک پیدا ہونے والا بچہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنادیتے ہیں، گویا از روئے حدیث مبارک ہر ایک پیدا ہونے والا انسان عہد

الست میں اپنی نمود اول کے میثاقی اثرات کی تاثیر کے زیر نقش فطرت اسلام کی صلاحیت لیکر پیدا ہوتا ہے لیکن پیدائش کے بعد اپنے گرد کے ماحول کے گہرے اور پیدائشی آثار کو قبول کرتے ہوئے یا فطرت سلیم کی راہ پر چل نکلتا ہے یا پھر اس کی معکوس شکل میں اس کے فکر وفہم کی نشو نما پروان چڑھتی ہے اور وہ انحراف کی ظلمتوں کا شکار ہو کر دائمی نقصان وخسران کا ہم رکاب بن جاتا ہے، اور کارگاہ عالم میں انسان کی یہی وہ اختیاری سرشت ہے جس کی بناء پر وہ کسی بھی مثبت یا منفی طرز عمل کو اپنانے کا اختیار رکھتا ہے اور من جانب اللہ اس کے ظہور ونمود میں یہی وہ اللہ تعالیٰ کا عطاء کردہ اختیار ہے جو کسی بھی عمل کے محمود یا مذموم بن جانے کا محرک کہلاتا ہے اور خیر وشر، جزاء وسزاء، نجاح وفلاح اور نقصان وخسران کے تمام رازہائے سربستہ بھی اسی اختیار انسانی سے ملحق ومربوط ہیں، اگر یہ اختیار اس سے ساقط کر دیا جاتا تو نہ ہی خیر وشر اور بھلائی وبرائی کے انتخاب واختیار کی کوئی ذمہ داری رہتی اور نہ باز پرسی ومسئولیت اور جوابدہی کا جواز ہی باقی رہتا چنانچہ انسانی سطح پر بات کرتے ہوئے فطرۃ اللہ سے مراد بنی نوع انسانی کی تخلیق کا وہ لازوال کائناتی اور ہمہ گیر قانون ہے جس کے مطابق خالق کائنات نے تمام بنی نوع انسانی کو بلا امتیاز وتفریق یکساں حالی کی اساس پر پیدا فرمایا ہے، قرآن کریم کی یہ آیت تخلیق انسانی کے اسی مخفی ومستور مشیت رب کی حقیقت کی جانب مشیر ہے، ﴿فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾، لہٰذا تم یکسو ہو کر اپنا رُخ اِس دین کی طرف قائم رکھو، اللہ کی بنائی ہوئی اُس فطرت پر چلو جس پر اُس نے تمام لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں لائی جاسکتی، یہی بالکل سیدھا راستہ ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں، بقول امام رازی رحمہ اللہ کہ فطرت سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس ایفائے عہد کا لیا جانا مراد ہے جو عالم الست میں از آدم تا آخر دم ہر ایک روح انسانی سے اپنی ربوبیت کے اقرار کے تعلق سے فرداً فرداً لیا گیا تھا جس کا ذکر کلام اللہ میں بذیل الفاظ مذکور ہے، ﴿وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ ۖ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوا بَلَىٰ ۛ شَهِدْنَا ۛ أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَٰذَا غَافِلِينَ﴾ اور جب آپ کے رب نے اولاد آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے ان ہی کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کیوں نہیں! ہم سب گواہ بنتے ہیں (کہ آپ ہی ہمارے رب ہیں) تا کہ تم لوگ قیامت کے روز یوں نہ کہو کہ ہم تو اس سے محض بے خبر تھے، یہاں پر یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ سوال کی نوعیت سے بوضاحت متبادر ہے کہ بوقت میثاق تمام بنی نوع انسانی عقل وشعور، قوت سماعی اور

صلاحیت بینائی کے اوصاف انسانی سے متصف تھی اور تمام بنی نوع انسانی کے ایک ایک فرد نے اپنے تمام قوائے انسانی کی خاصیات سمیت اپنے رب کو دیکھا، سنا اور پہچانا اور مکمل شعوری قوائے ممیّزہ کے ساتھ روح محمد ﷺ کی متابعت کرتے ہوئے رب کائنات کی ربوبیت کا اقرار واعتراف کیا تھا کیونکہ عقل کی سطح پر یہ ایک مسلمہ ضابطہ ہے کہ سوال ایسی ہی ذی شعور مخلوق سے کیا جاتا ہے جس میں سوال کو سمجھنے اور جواب دینے کی لیاقت وقابلیت اور مادۂ رسائی وسماعی اور فہم وشعور موجود ہو اور یہی نکتہ جسم وجاں پر روح کے تفوق اور بلحاظ امر رب اس کے دوام کی بھی دلیل ہے، ﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ط قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّىْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ اور تم سے روح کے متعلق پوچھتے ہیں تم کہہ دو کہ روح میرے رب کے حکم سے ایک چیز ہے اور (اے لوگو!) تمہیں بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے، مزید براں یہ کہ فطرت کے وسیع تر مفاہیم میں ایک رخ صوفیانہ فکر ونظر کا بھی غماز ہے جس کے مطابق کائنات یا عالم خارجی میں حقیقت مطلقہ کے باطنی رخ کا نام ہی فطرت ہے وہ بھی دراصل فطرت اور طبیعت کے حوالے سے الست کی میثاقی ماہیت کی جانب ہی مشیر ہے، علی کل حال فطرت کے وسیع تر مفاہیم، کثرت افکار ونظریات اور طول طویل مباحث کے انبار گراں بار میں قدر مشترک کی اکائیت اسی محوری صداقت پر دائر نظر آئے گی جو کہ ماسوائے وحدت رب کے کسی دوسری حقیقت پر منطبق ہی نہیں ہوسکتی ہے چنانچہ جب ارض وفلک کی ہر حقیقت بزبان حال و قال وحدت رب کی منادو معلن ہے تو عقل وفہم کی سطح پر یہ ناممکن ہے کہ کائنات کی عروجی اور مقصدی مخلوق انسانی کی فطرت اس کے ربانی اصول سے کیسے خارج ہوسکتی ہے اور وحدت رب کی اسی حقیقت کا مظہر اتم دین اسلام ہے اور ماسوائے دین اسلام کے دنیا کا کوئی بھی مذہب جس کی تعلیمات وتصورات اشتراک ربوبیت کے غیر فطری اثرات کو قبول کرتے ہوں خواہ وہ عمل کی سطح پر ہوں یا نظری اساس پر ہوں یا پھر ظن وقیاس کی بساط پر دائر ہوں ہرگز بھی اس کو فطرت انسانی سے میل کھاتا ہوا مذہب قرار نہیں دیا جاسکتا ہے کیونکہ فطرت کی اصل ماہیت وحدت رب کے علاوہ کوئی دوسری شے سے نہ ہی تو مطمئن ہوسکتی ہے اور نہ ہی قبول کرسکتی ہے، یہ تو ممکن ہے کہ اضدادی قوتوں کے زیر اثر فطرت سلیم کی آواز وقتی طور پر اتنی دب جائے کہ خود کو بھی سنائی دینا بند ہوجائے لیکن یہ جوہر ثمین انسان سے معدوم ہوجائے ایسا ممکن نہیں ہے، لہٰذا فکر کے اس ناحیہ سے بجز دین اسلام کے کوئی بھی مذہب دین فطرت ہونے کی دعویٰ داری پیش نہیں کرسکتا ہے، قرآن کریم کی یہ باطل شکن آیت، ﴿لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ج فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ﴾ اگر آسمان وزمین میں اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو ضرور آسمان وزمین تباہ

ہوجاتے تو لوگوں کی بنائی ہوئی باتوں سے اللہ پاک ہے جو عرش کا مالک ہے، عقل وفہم اور شعور واحساس کے لیے دعوت فکر ہے کہ خواہ دنیا کی عارضی سلطنت ہو، ریاست ہو، قبیلہ ہو یہاں تک کے خاندان کی ہی سربراہانہ ذمہ داری کا معاملہ ہی کیوں نہ ہو وہ ایک سے زائد حصوں میں منقسم نہیں ہوسکتا ہے اور اگر ہوگا تو بجز تباہی وبربادی کے کوئی دوسرا نتیجہ برآمد ہی نہیں ہوسکتا ہے اور تماشہ گاہ عالم میں انقلاب وانحراف کے واقعات وتمثیلات اسی حقیقت کے مظاہر ہیں تاکہ عقل وفکر مشاہد دلائل تک رسائی پاسکیں، کیونکہ ایسا ہونا فطرت کے اصولوں سے براہ راست تصادم ہے تو اصول ازلی جس کے زیر اثر نظام کائنات بہ مشیت حق قائم اور دائم ہے وہاں شرک صریح کی متابعت میں بجز اللہ تعالیٰ کی حاکمیت مطلقہ کے بالمقابل تعلیمات وہدایات اور تصورات ومعتقدات قائم کرلینے کو فطرت سے بغاوت اور مسخ سرشت کے علاوہ دوسرا کیا نام دیا جاسکتا اور مسخ شدہ فطرت کی اسی تو ہماتی حقیقت کو قرآن کریم نے ﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ (اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر لگادی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے اور ان کے لئے بہت بڑا عذاب ہے) سے تعبیر کیا ہے، اثبات فطرت کے حوالے سے یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ مطلق توحید دعویٰ کی حد تک کم وبیش تمام ہی مذاہب میں پایا جاتا ہے اور جن قوموں کو مشرک مانا جاتا وہ بھی ایک مرحلے تک عظیم تر قوت واحدہ کے کسی نہ کسی پیرائے میں اقراری ہیں اور قادر مطلق کے طور پر ایک ذات کو مانتے ہیں جو کہ شعوری سطح پر عہد الست کی میثاق حقانیت اور اس کے زیر اثر فطرت انسانی کی نشو نما اور اس کے تکوینی خدوخال اور آثار کو فکری دلیل فراہم کرتی ہے اسی حقیقت کو قرآن کریم اپنے الفاظ معجز میں بایں طور بیان کرتا ہے، ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ﴾ اگر آپ مشرکوں سے پوچھیں کہ آسمان وزمین کا خالق کون ہے تو وہ کہیں گے کہ اللہ ہے، یا ایسے ہی عیسائی تین خدا کو مانتے ہیں لیکن ساتھ میں یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ تینوں مل کر ایک وحدت ہیں، یہ بات عقلی یا اعتقادی سطح پر کتنی غلط اور مغالطہ آمیز ہی کیوں نہ ہو لیکن اس سے یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ حقیقی تعدد کو وہ بھی گوارا نہیں کرتے، ایسے ہی وہ اقوام وملل ہیں جو از روئے قرآن وحدیث مشرک قرار پاتے ہیں جنھوں نے صفات وافعال اور عبادات میں باری تعالیٰ کے ساتھ اور چیزوں کو شریک کیا ہوا ہے اسی لیے وہ توحید کامل سے محروم ہوئے، اندریں صورت بلا خوف تردید یہ دعویٰ عین فطرت کا عکاس ہے کہ تمام مذاہب عالم میں اسلام ہی وہ واحد دین فطرت ہے اور اسی کو یہ خصوصیت واختصاص حاصل ہے اس نے توحید باری تعالیٰ کو شرک کی ہر قسم کے شائبوں سے پاک کرکے ترجمان فطرت ہونے کا حق ادا کیا ہے،

حاصل یہ کہ ارض وسماء کی نا قابل تصور وخیال وسعتوں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے تمام عوالم کا ایک ایک ذرہ اپنے حال سے قال سے چال سے اپنے خالق کے پیدا کردہ اسی فطرت ازلیت، حقیقت ابدیت اور وحدت ربوبیت کا مظہر ومناد ہے اور محسوس سطح پر دین اسلام انہی صفات حق کا شارح ہے۔

فطرت انسانی کے جزئیات کی اگر تحلیل کی جائے تو سب سے بالائی سطح پر جو حقیقت امتیاز ہے جس کے سبب انسان کی کائنات پر بالا دستی قائم ہے وہ حق تعالیٰ کی صفت خاص علم ہے جو کہ اسلام کی خشت اول اور سرشت انسانی کا جز ولاینفک ہے اور کلام اللہ کی اولین ہدایت کی بنیاد ہی ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ﴾، پر رکھی گئی ہے اور فطرت انسانی کی ہر ایک کلی وجزوی حقیقت کی خشت اساس علم پر ہی قائم ہے اور یہی وہ صفت خاص ہے جس پر اسلام کے حقیقت آغاز کا نقطۂ فکر دائر ہے اور جس کی اساس پر اسلام کی ہدایات وراہنمائی کی عمارت استوار ہے، ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ﴾ کے عنوان سے اپنی کاملیت کا اعلان کرنے والے دین اسلام اور قرآن کریم کی مطلوب بنیادی ہدایات میں علم کی اولیت بعدازاں موقع بہ موقع بنی نوع انسانی کے لیے علم کو فضل رب قرار دیکر انسانی زندگی میں اس کی اہمیت، افادیت اور ناگزیرو لازمی ضرورت کے مختلف عناوین سے تذکرے اسی ثابت شدہ حقیقت کے واضح اشارات ہیں کہ دنیا و آخرت میں کامیابی کی اصل کلید صرف اور صرف علم کی ہی مرہون منت ہے اور انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کی یہی وہ عطائے خاص ہے جس کے سبب انسان کو کائنات میں بلاتفریق مردوزن اشرف المخلوقات اور افضل الکائنات ہونے کا شرف حاصل ہے اور یہی صفت علم ہے جو اللہ تعالیٰ کا عطاء کردہ وہ وصف خاص ہے جس کے حصول کو فرض کے درجے میں مرد وعورت کے لیے یکساں قرار دیا گیا ہے، نفس علم اپنے مفہومات ودرجات اور انطباقات کے حوالے سے ایک ایسا انتہائی وسیع الجہت موضوع ہے جس کے مفاہیم کی طوالت وگہرائیوں کو سمیٹنا ایک تصنیفی کاوش کو ہی نہیں بلکہ متعدد تصانیف کی ترتیب کو محیط ہے۔

**وما علینا الا البلاغ المبین**

۞......۞......۞

**بحث و تحقیق**

**قسط نمبر:۶۵**

# حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم نانوتویؒ

## کے علوم وافکار کی تشریح وترجمانی ''تقریر دلپذیر'' کی روشنی میں


مولانا غلام نبی قاسمیؒ ❖


اہل علم جانتے ہیں کہ حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم النانوتویؒ کی دینی بصیرت اور فرق ضالہ باطلہ کی تردید میں مضبوط عقلی دلائل آپ کا ایک ایسا امتیاز ہے کہ جو حجۃ الاسلام امام غزالیؒ اور حجۃ اللہ فی الارض شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے بعد حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم نانوتویؒ کے حصہ میں آیا، حجۃ الاسلام اکیڈمی دارالعلوم وقف دیوبند نے بتوفیق ایزدی حضرت نانوتویؒ کی جملہ تصانیف کی تشریح وتسہیل کا عزم کیا ہے۔

افادۂ قارئین کے لیے آغاز حضرت قدس سرہٗ کی مشہور تصنیف ''**تقریر دلپذیر**'' سے کیا جارہا ہے، امید ہے کہ یہ سلسلہ اہل علم کو پسند آئے گا۔

محمد شکیب قاسمی
ڈائریکٹر حجۃ الاسلام اکیڈمی

ہاں انقلاب مذکور کی کئی قسمیں ہیں:

۱۔ ایک تو وہ، جو عین حرکت کے وقت ہوتا ہے۔ یعنی جس قسم کی حرکت فرض کیجیے، اس قسم کا انقلاب ابتداے حرکت سے انتہائے حرکت تک برابر رہتا ہے۔ مثلاً حرکتِ مکانی میں ہر آن میں جدا مکان آتا جاتا ہے۔

۲۔ دوسرا وہ انقلاب، جو بعد ابتداے حرکت، یا بعد انتہائے حرکت محسوس ہوتا ہے۔ یعنی پہلے سکون تھا، تو اب حرکت عارض ہوگئی۔ اور پہلے حرکت تھی، تو اب سکون کی نوبت آگئی۔

۳۔ تیسرے وہ انقلاب، جو کسی حرکت، یا سکون کے باعث پیدا ہوجائے۔ خود حرکت، یا سکون کا انقلاب نہیں۔ مثلاً کاغذ، یا کپڑے کو پھاڑ ڈالیے اور اس وجہ سے اس کی ہیئت سابقہ بدل جائے۔ دائرہ، یا مربع، یا مستطیل جو کچھ تھی، وہ شکل باطل ہوجائے اور دوسری دو شکلیں، یا زیادہ اور نئے کاغذ، یا کپڑے کے ٹکڑوں کو عارض ہوجائیں۔ قبل حرکت، وقتِ سکون، اجزاء میں باہم کوئی نہ کوئی نسبتِ قرب وبُعد تھی، جس کے سبب اطرافِ کاغذ، یا کپڑے کو ایک ہیئت عارض ہورہی تھی، بہ وجہ حرکت وہ نسبت زائل ہوگئی۔ اس لئے وہ ہیئت بھی بدل گئی۔ مگر اس زوالِ شکل اول، یا حدوثِ شکل ثانی کو حرکت نہیں کہہ سکتے۔ حالاں

❖ سابق استاذ حدیث دارالعلوم وقف دیوبند

کہ انقلاب موجود ہے۔ اس سے زیادہ کیا انقلاب ہوگا کہ وجود سے عدم، یا عدم سے وجود ہو جائے؟ یہاں زوال میں یہ بات موجود ہے اور حدوث میں (بھی) یہ بات موجود ہے۔ اور وجہ نہ کہنے کی یہ ہے کہ حرکت میں ایک متحرک چاہیے۔ دوسرے وہ چیز، جس کا ہر آن میں تبدل بھی ہوتا جائے۔ اور پھر حالتِ سابقہ حالتِ لاحقہ کے مشابہ بھی رہے۔ مثلاً حرکتِ مکانی ہو، تو ہر آن میں جدا مکان آتا جائے۔ اور پھر بایں نظر کہ مکان مثلاً اس وسعت موہوم کا نام ہے، جو اجسام کے لئے ضرور ہے، یا اجزائے مسافت کا نام ہے، جو حرکت سے قطع کئے جاتے ہیں، یا اس قالب کا نام ہے، جو بڑے اجسام کے احاطے سے ان کے اندر کی سطح سے اندر کے جسم کے مطابق پیدا ہو جاتا ہے۔ اور یہ سب ایسی چیزیں ہیں کہ وقتِ حرکتِ اجسام ایک کا ان میں سے زوال ہوتا ہے، تو معاً دوسرا ویسا ہی آجاتا ہے۔ وسعتِ موہوم، یا قالبِ مذکور، یا مسافتِ مسطور کا اگر ایک ٹکڑا حرکت سے زائل ہوتا ہے، تو دوسرا ٹکڑا بھی ویسا ہی جسم کے لئے حاصل ہوتا ہے۔(۱)

بالجملہ، حرکت کے لئے یہ ضرور ہے کہ تجددِ امثال ہوا کرے۔ اور تجدد، بے زمانہ متصور نہیں۔ کیوں کہ تجدد کے معنی بھی ہر دم کی نئی پیدائش ہے۔ چناں چہ لفظِ ''جدید''۔ جس کو ہماری زبان میں نیا کہتے ہیں۔ اس معنی کی صحت پر شاہد ہے۔

غرض، جہاں حرکت ہوگی، وہاں یہ بھی ضرور ہے کہ ہر دم ایک حالت جائے اور پھر ویسی ہی نئی حالت آئے۔ اس ہر دم کی نئی پیدائش کو ''تجدد'' کہتے ہیں۔ اور چوں کہ حالتِ سابقہ اور لاحقہ مماثل یک دیگر اور باہم مشابہ ہوں گی، تو اس مشابہت اور مماثلت کی وجہ سے حالاتِ مشارٌ الیہا کو امثال کہنا چاہیے۔

جب حقیقتِ حرکت معلوم ہوگئی، ادھر تجددِ امثال کے معنی معلوم ہوگئے، تو اہل فہم کو یہ آپ (خود بخود) معلوم ہو گیا ہوگا کہ ہر حرکت میں تجددِ امثال ضرور ہے۔ اور قلیل، کثیر زمانہ درکار۔ اور زمانے کے لئے۔ اگر محدود الطرفین ہے۔ تو ابتدا اور انتہا کی حاجت۔ ورنہ امکان تقسیم کے تسلیم سے چارہ نہیں۔ اس لئے حرکت کے لئے بھی ابتداء اور انتہا ضرور (ہے)۔ ورنہ انقسام ممکن (ہے)۔

۞......۞......۞

---

(۱) مسئلہ تجدد امثال کے متعلق دلائل کا حاصل بظاہر یہ ہے کہ حادث اور فنا ہونے والی چیزوں میں زوال کا ہونا ضرور ہے، زوال ایک قسم کا انقلاب ہے، پر انقلاب، حرکت پر موقوف ہے اور انقلاب سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ اس بدلنے والی اور منقلب چیز پر اسی قسم کی حرکت ہوتی رہی۔ جب حادث پر انقلابِ زوال واقع ہوگا یعنی فنا ہوگا تو اس سے یہ بھی ظاہر ہو جائے گا کہ اس فانی پر حرکتِ وجود و عدم ہمیشہ ہوتی رہی۔ یہ ہمیشہ فنا و حدوث کے ہاتھوں مقید رہا۔ یہی تجدد امثال ہے۔ رہی شکل تو وہ بدلنے کے قابل نہیں۔ (ص: ۲۶۱، نسخہ مطبوعہ مطبع قاسمی)




**مقالات و مضامین**

**آخری قسط**

# حدیث اور علوم حدیث: ایک تعارف

مولانا محمد اسلام قاسمی ❖

(۱) **الصحیفة الصادقة** مسند احمد میں روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے احادیث کا جو مجموعہ تیار کیا تھا اس کا نام الصحیفة الصادقة رکھا تھا، یہ عہد صحابہ کے حدیثی مجموعوں میں سب سے زیادہ ضخیم صحیفہ تھا، اُس کی احادیث کی کل تعداد یقینی طور سے معلوم نہیں ہوسکی، لیکن حضرت ابوہریرہؓ کی ایک روایت سے جو صحیح بخاری (بخاری شریف ج ۲، ص ۲۲، کتاب العلم، باب کتابۃ العلم) وغیرہ میں موجود ہے، اس پر کچھ روشنی پڑتی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ **ما من اصحاب النبی ﷺ احد اکثر حدیثا عنه (ای عن النبی ﷺ) منی الا ما کان من عبداللہ بن عمرو فانه کا یکتب و لا اکتب**

(۲) **صحیفة علیؓ**: ابوداؤد (ابوداؤد، ج ۱: ص: ۲۷۸) کتاب المناسک باب فی تحریم المدینۃ کے تحت حضرت علیؓ کا یہ قول منقول ہے: **ما کتبنا عن رسول اللہ ﷺ إلا القرآن و ما فی هذه الصحیفة الخیهی** روایت بخاری میں چار مقامات پر اور مسلم میں دو مقام پر اور نسائی و ترمذی میں بھی تخریج کی گئی ہے، حضرت علیؓ کا صحیفہ ان کی تلوار کی نیام میں رہتا تھا، اور اس روایت کے متعدد الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں دیات اور معاقل، فدیہ اور قصاص، احکام اہل ذمہ، نصاب زکوٰۃ، اور مدینہ طیبہ کے حرم ہونے سے متعلق ارشادات نبوی درج تھے۔

(۳) **کتاب الصدقة**: یہ اُن احادیث کا مجموعہ تھا جو آں حضرت ﷺ نے خود املاء کرائیں تھیں، اس میں زکوٰۃ وصدقات اور عشر وغیرہ کے احکام تھے، اور سنن ابی داؤد سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب آپ ﷺ نے اپنے عمال کو بھیجنے کے لیے لکھوائی تھی، لیکن ابھی آپ بھجوا نہ سکے تھے، کہ آپ کی وفات ہوگئی، آپ کے بعد یہ کتاب حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس رہی، پھر حضرت عمرؓ کے پاس آئی، پھر اُن

---

❖ استاذ حدیث دار العلوم وقف دیوبند

کے دوصاحبزادوں حضرت عبداللہ اور عبیداللہ کے پاس آئی، پھران سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حاصل کرکے اس کی نقل کی اور ان سے حضرت سالم بن عبداللہ کے پاس منتقل ہوئی، حضرت سالم سے امام ابن شہاب زہریؒ نے اُسے حفظ کیا اور دوسروں کو پڑھایا۔

(۴) **صحف انس بن مالکؓ** : حضرت سعید بن ہلالؒ فرماتے ہیں کہ: **کنا إذا اکثرنا علی انس بن مالك فاخرج إلینا محالاً عنده فقال هذه سمعتها من النبی صلی اللہ علیہ وسلم فکتبتها و عرضتها (۱)**

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت انسؓ کے پاس حدیث کے کئی مجموعے تھے۔

(۵) **صحیفة عمرو بن حزم** : جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن حزمؓ کو نجران کا عامل بنا کر بھیجا تو ایک صحیفہ اُن کے حوالہ کیا، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پر مشتمل تھا، اور اسے حضرت اُبی بن کعبؓ نے لکھا تھا، ابوداؤد وغیرہ میں اس صحیفہ کے جو اقتباسات آئے ہیں، اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں طہارت، صلوٰۃ، زکوٰۃ، حج وعمرہ، جہاد، سیر ومغانم وغیرہ سے متعلق احادیث درج تھیں۔

(۶) **صحیفہ ابن عباسؓ** : طبقات ابن سعد میں حضرت کریب بن ابی مسلم کا جو ابن عباسؓ کے مولیٰ تھے، یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ انھیں حضرت ابن عباسؓ کی کتابوں کا اتنا ذخیرہ ملا تھا جو پورے ایک اونٹ کا بوجھ تھا۔

(۷) **صحیفہ ابن مسعودؓ** : علامہ ابن عبدالبرؒ نے اپنی کتاب جامع بیان العلم وفضلہ میں نقل کیا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن مسعودؒ نے ایک کتاب نکالی اور فرمایا کہ میں قسم کھاتا ہو کہ یہ عبداللہ بن مسعودؓ کی لکھی ہوئی ہے۔

(۸) **صحیفہ جابر بن عبداللہ** : صحیح مسلم میں روایت ہے کہ حضرت جابرؓ نے حج کے احکام پر ایک رسالہ تالیف کیا تھا، امام بخاریؒ نے تاریخ کبیر میں حضرت معمرؒ سے نقل کیا ہے، **قال رایت قتادة قال لسعید بن ابی عروبة امسك علی المصحف فقرا البقرة فلم یخط حرفا فقال یا ابالنضر لانا لصیحفة جابر احفظ منی لسورة البقرة .(۲)**

(۹) **صحیفة سمرة بن جندب** : حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں نقل کیا ہے کہ سلیمان ابن سمرہ نے اپنے والد سمرہ بن جندب سے ایک بڑا نسخہ روایت کیا ہے۔

(۱۰) **صحیفة سعد بن عبادة** : امام ابن سعد نے طبقات میں نقل کیا ہے کہ حضرت سعد

(۱) تدوین حدیث للسید مناظر احسن گیلانی ص: ۶۷/۶۸، بحوالہ مستدرک حاکم (۲) کتاب التاریخ الکبیر

بن عبادہ نے ایک صحیفہ مرتب کیا تھا، جس میں احادیث جمع کی تھیں۔

(۱۱) **صحف ابی ھریرۃؓ**: امام حاکم نے مستدرک میں اور علامہ ابن عبد البر نے جامع بیان العلم میں حضرت حسن بن عمرو کا یہ واقعہ نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ کے سامنے ایک حدیث بیان کی، حضرت ابو ہریرہ نے اس سے ناواقفیت کا اظہار فرمایا، میں نے عرض کیا کہ میں نے یہ حدیث آپ ہی سے سنی ہے۔ اس پر حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا کہ اگر یہ حدیث میں نے بیان کی ہوگی تو میرے پاس لکھی ہوئی ہوگی۔ چنانچہ وہ کچھ کتابیں نکال کر لائے، جن میں احادیث درج تھیں، ان میں تلاش کیا تو وہ حدیث مل گئی۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو ہریرہؓ کے پاس بھی ان کی تمام مرویات صحیفوں کی صورت میں لکھی ہوئی موجود تھیں، واضح ہو کہ حضرت ابو ہریرہ عہد رسالت اور خلفاء کے ابتدائی دور میں احادیث نہیں لکھتے تھے، لیکن آخری عمر میں اس خیال سے کہ حدیث بھول نہ جائیں اپنی مرویات کو جمع کر لیا۔

چنانچہ ان کی طرف کئی صحیفے منسوب ہیں۔

۱- مسند ابو ہریرہ　　۲- مولف بشیر بن نہیک

۳- صحیفہ عبد الملک بن مروان　　۴- صحیفہ ہمام بن منبہ

یہ چند مثالیں اس بات کو واضح کرنے کے لیے کافی ہیں کہ عہد رسالت اور عہد صحابہ میں کتابت حدیث کا طریقہ خوب اچھی طرح رائج ہو چکا تھا۔ یہاں ہم نے صرف بڑے مجموعوں کا ذکر کیا ہے۔ ان کے علاوہ رسول کریم ﷺ نے جو انفرادی خطوط تحریر فرمائے یا کسی کو کوئی بات لکھ کر دی، یا فرامین جاری کئے، یہ اس کے علاوہ ہیں۔ گرچہ یہ ساری کوششیں انفرادی نوعیت کی تھیں، اور سرکاری سطح پر خلفاء ثلاثہ کے دور میں تدوین واشاعت کا ایسا اہتمام نہیں ہوا، جیسے جمع قرآن کا ہوا۔

## حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا زمانہ

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے زمانہ تک کتابت حدیث اپنے پہلے دو مرحلوں میں تھی، لیکن اب وہ وقت آچکا تھا، کہ احادیث کی باقاعدہ تدوین ہو، کیوں کہ اب قرآن کریم کے ساتھ اس کے اختلاط والتباس کا اندیشہ نہیں تھا، چنانچہ صحیح بخاری (بخاری شریف، ج:، ص:۲۰) پر **باب کیف یقبض العلم** کے تحت تعلیقاً مروی ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے مدینہ طیبہ کے قاضی ابوبکر بن حزم کے نام ایک خط لکھا، جس میں اُن کو حکم دیا کہ **انظر ما کان من حدیث رسول اللہ ﷺ فاکتبہ فانی خفت دروس العلم**

**وذهاب العلماء.** مؤطا امام مالک میں بھی یہ خط مروی ہے اور اس میں احادیث نبوی کے ساتھ سنت خلفاء راشدین کے جمع کرنے کا حکم بھی مذکور ہے، مگر حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں روایت نقل کی ہے کہ یہ خط مملکت کے ہر صوبے کے قاضی کے نام بھیجا گیا تھا، اس کے الفاظ یہ ہیں **فکتب بها الی الآفاق** جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے اپنی سلطنت میں بڑے پیمانے پر تدوین حدیث کا کام شروع کیا تھا، چنانچہ پہلی صدی ہجری کے آخر میں مندرجہ ذیل کتب حدیث وجود میں آچکی تھیں:

(۱) **کتب ابی بکر**: قاضی ابوبکر کو جو حکم دیا تھا انھوں نے حدیث کی کئی کتابیں جمع فرمائی تھیں، لیکن حضرت عمر کو بھیجی نہیں تھیں کہ ان کی وفات ہوگئی۔

(۲) **رسالہ سالم بن عبداللہ فی الصدقات**: علامہ جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں نقل کیا ہے کہ یہ رسالہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی فرمائش پر لکھا گیا تھا۔

(۳) **دفاتر الزہری**: علامہ ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم میں امام زہری کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہم نے خلیفہ کے حکم سے حدیث وسنن کے دفتر کے دفتر لکھ ڈالے، پھر حضرت عمر نے مملکت کے ہر خطے میں ان دفاتر میں سے ایک دفتر بھیج دیا تھا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اس زمانے میں حضرت امام ابن شہاب زہری سے زیادہ تدوین حدیث کی خدمت شاید ہی کسی نے انجام دی ہو۔

(۴) **کتاب السنن لمکحول**: یہ کتاب امام ابن مکحول نے تحریر فرمائی تھی، جو حضرت عمر بن عبدالعزیز کے فرمان کی تعمیل تھی، وہ ان کے زمانے میں قاضی تھے۔

(۵) **ابواب الشعبی**: یہ حضرت عامر بن شرحبیل کی تالیف ہے، اور یہ علم حدیث کی پہلی مبوب کتاب ہے۔ حضرت شعبی کوفہ میں عمر بن عبدالعزیز کے قاضی تھے۔

چوں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی وفات سنہ میں ہوئی اس لیے یہ سب کتابیں اس سے پہلے ہی لکھی جاچکی تھیں۔

## دوسری صدی ہجری میں تدوین حدیث

دوسری صدی ہجری میں تدوین حدیث کا کام اور زیادہ قوت کے ساتھ شروع ہوا، اس دور میں جو کتابیں حدیث کے موضوع پر لکھی گئی، ان کی تعداد بیس سے بھی زیادہ ہے۔ جن میں کچھ مشہور کتابیں یہ ہیں:

(۱) **کتاب الآثار لابی حنیفہؒ**: اس کتاب میں پہلی بار احادیث کو فقہی ترتیب پر مرتب کیا گیا، علم حدیث میں اس کا پایہ بہت بلند ہے، اور امام ابوحنیفہؒ نے چالیس ہزار احادیث میں سے اس کتاب

کا انتخاب فرمایا ہے، ذکرہ الموفق فی مناقب الامام ابی حنیفۃ ،اس کتاب کے کئی نسخے ہیں، بروایت امام محمدؒ، بروایت امام ابو یوسفؒ، بروایت امام زفرؒ،اور یہ کتاب موطا امام مالک سے زماناً مقدم ہے،ادھر یہ بھی ثابت ہے کہ امام مالک نے امام ابو حنیفہ کی تالیفات سے استفادہ کیا، اس لیے یہ کتاب اپنی طرز تدوین میں موطا امام مالک کی اصل کی حیثیت رکھتی ہے، بہت سے علماء نے اس کی شروح لکھیں،اوراس کے رجال پر کتابیں تصنیف کیں،جن میں حافظ ابن حجر بھی شامل ہیں۔

یہاں ایک بات یہ بھی یاد رکھنی چاہئے کہ علم حدیث میں امام ابو حنیفہؒ کی براہِ راست مرتب کردہ کتاب یہی کتاب الآثار ہے، اس کے علاوہ مسند ابی حنیفہ کے نام سے جو مختلف کتابیں ملتی ہیں، وہ خود امام صاحب کی تالیف نہیں ہیں، بلکہ آپ کے بعد بہت سے حضرات محدثین نے آپ کی مسندات تیار کیں، ان میں حافظ ابن عقدہؒ، حافظ ابو نعیم اصفہانیؒ، حافظ ابن عدیؒ، حافظ ابن عساکرؒ مشہور ہیں، بعد میں علامہ خوارزمیؒ نے ان تمام مسانید کو ایک مجموعہ میں یکجا کر دیا، جو جامع مسانید الامام الاعظمؒ کے نام سے مشہور ہیں۔

(۲) **الموطا للامام مالکؒ** : اس کتاب کو اپنے زمانے میں اصح الکتب بعد کتاب اللہ کہا جاتا تھا، اس کے بعد یہ لقب صحیح بخاری کو ملا، اس لئے کہ اس میں موطا کی تقریباً تمام احادیث بے شمار دوسری احادیث کے ساتھ موجود ہیں۔

(۳) **جامع معمر بن راشدؒ** : یہ بھی امام مالکؒ کے ہم عصر ہیں، اور اپنے دور میں اُن کی کتاب بہت مقبول ہوئی، مگر آج کل نایاب ہیں۔

(۴) **جامع سفیان ثوریؒ** : امام شافعیؒ نے اس کتاب سے استفادہ کیا ہے۔

(۵) **السنن لابن جریجؒ** : اسے سنن ابی الولید بھی کہتے ہیں۔

(۶) **السنن لوکیع بن الجراحؒ**

(۷) **کتاب الزھد لعبداللہ بن المبارکؒ**

## تیسری صدی ہجری میں تدوین حدیث

یہ صدی علم حدیث کی تدوین اور ترتیب کے لحاظ سے عروج کا زمانہ ہے، درحقیقت امہات الکتب اور صحاحِ ستہ اسی صدی میں مرتب ہوئیں، فن حدیث پر لکھی ہوئی کتابیں نئی ترتیب اور تبویب کے ساتھ وجود میں آنے لگیں اور کتب حدیث کی بیس سے زیادہ قسمیں ہوگئیں، اسماء الرجال اور جرح وتعدیل نے باضابطہ علم کی صورت اختیار کرلی، جو حدیث کی جانچ، پرکھ اور صحیح احادیث کو جمع کرنے کے مقصد سے تھی۔ اسی

صدی میں حدیث کی وہ چھ کتابیں بھی مرتب ہوئی ہیں، جن کے بارے میں امت اسلامیہ کا یقین ہے کہ ان میں موجود احادیث صحیح ہیں، اور نبی کریم ﷺ کے ارشادات محفوظ طریقے سے ان میں موجود ہیں۔
اس صدی اور اس کے بعد حدیث کی جو اہم کتابیں وجود میں آئیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

**(۱) الجامع الصحیح للامام البخاری (۲) الجامع الصحیح للامام مسلم (۳) سنن النسائی (۴) سنن ابی داود (۵) الجامع السنن للامام الترمذی (۶) سنن ابن ماجہ (۷) مسند ابی داود الطیالسی (۸) مسند الامام احمد بن حنبل (۹) مصنف عبد الرزاق (۱۰) مصنف ابی بکر بن ابی شیبۃ (۱۱) المستدرک للحاکم (۱۲) المعاجم للطبرانی (۱۳) المسند الکبیر للامام ابی بکر البزار (۱۴) مسند ابی یعلی (۱۵) سنن الدارمی (۱۶) السنن الکبری للبیہقی (۱۷) سنن دار قطنی**

## چوتھی صدی ہجری اور اس کے بعد

تدوین حدیث کا سلسلہ چوتھی صدی میں بھی جاری رہا، اور نئی کتابوں کے علاوہ پرانی حدیث کی کتابوں کی نئی ترتیب بھی شروع ہوئی اور اس کے بعد حدیث کی کتابوں کی شروحات کا سلسلہ شروع ہوا جو اب تک جاری ہے۔

سقوطِ بغداد کے بعد علم حدیث کی خدمت بلادِ مغرب (اندلس، مراکش) ور بلادِ مصر میں جاری رہی، اور تصنیف و تالیف کے ساتھ درس و تدریس اور اشاعت کا کام برقرار رہا، یہاں تک کہ دسویں صدی ہجری کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ نے حدیث کی خدمت کے لیے بلادِ ہند و سندھ کو توفیق عطا کی، چنانچہ حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی اور ان کے تلامذہ نے اس میں بھرپور حصہ لیا، مگر صحاح ستہ کی تدریس اور حدیث پر مزید خدمت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کے خانوادہ و تلامذہ کی رہین منت ہے۔

❁......❁......❁

# توبہ واستغفار

محترم جناب مولانا نسیم اختر شاہ قیصر صاحبؒ سابق استاذ دارالعلوم وقف دیوبند ۱۳؍صفر المظفر ۱۴۴۴ھ مطابق ۱۱؍ستمبر ۲۰۲۲ء کو رحلت فرماگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا کے مضامین ہمیشہ ''ندائے دارالعلوم وقف دیوبند'' میں انتہائی قدر واہتمام کے ساتھ بہ تسلسل شائع ہوتے تھے، جس کے لئے وہ وافر مقدار میں اپنے مضامین قبل از وقت داخلِ دفتر فرماتے تھے، جنہیں حسب ترتیب وحسب موقع شائع کیا جاتا تھا۔ مولانا کے انہیں مضامین میں سے مزید چند مضامین دفتر میں موجود ہیں، جنہیں ترتیب وار شائع کیا جارہا ہے۔ ان شاءاللہ۔ (ادارہ)

مولانا نسیم اختر شاہ قیصرؒ ❖

یہ کارخانۂ حیات جسے اللہ رب العزت نے بنایا، سجایا سنوارا، بسایا اور اس کی افضل مخلوق انسان کو قرار دیا اس لیے کہ انسان صاحبِ عقل اور صاحبِ شعور مخلوق ہے، دیگر مخلوقات دیکھتی بھی ہیں، سنتی بھی ہیں، چلتی اور پھرتی بھی ہیں، مگر فہم ودانائی سے محروم ہیں، انسان اپنے اچھے اور برے کو سمجھتا ہے، اسے رب العزت نے اتنی عقل دی ہے کہ وہ صحیح راستے اور برے راستے میں فرق کرسکے، سنبھل سنبھل کر چلے اور ایسے کام نہ کرے جو رب کی ناراضگی یا عتابِ الٰہی کا سبب بنیں، اس کے باوجود ماننا ہوگا کہ انسان خطا ونسیان سے دور نہیں ہے، اس سے بھول بھی ہوسکتی ہے، چوک بھی ہوسکتی ہے، وہ برا بھی کرسکتا ہے اور اس سے گناہ بھی سرزد ہوسکتا ہے، وہ گناہ کرے گا تو اس کے لیے یہ گناہ وبال جاں بنے گا، برائی کرے گا تو وہ برائی اس کی نیکیوں اور اچھائیوں کو کھا جائے گی، وہ زمین کے باشندوں پر ظلم کرے تو ظلم اس کی ہستی کو خاک میں ملادے گا، گناہ سے بچنا چاہیے، برائیوں کے قریب نہیں جانا چاہیے اور ان جگہوں اور مقامات سے خود کو دور رکھنا چاہیے جہاں برائی پیدا ہونے کے امکانات اور گناہوں کے پنپنے اور دامن کو داغ دار کردینے کے خطرات موجود ہیں۔

ہم مانتے ہیں کہ تمام احتیاطی تدابیر کے باوجود کبھی شیطان غالب آجاتا ہے، انسان نفس سے مات کھا جاتا ہے اور خواہشاتِ قلبی اس کو مغلوب کرلیتی ہیں، اس لیے وہ گناہ کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے، اس گناہ

❖ سابق استاذ دارالعلوم وقف دیوبند

کے بوجھ کو کم کرنے کے لیے اور قربِ الٰہی حاصل کرنے کے لیے رب العزت نے اپنے ماننے والوں کے لیے ایک دروازہ ایسا کھولا ہے اگر آدمی اس میں داخل ہو تو وہ خدائی رحمتوں سے محروم نہ رہے گا۔ وہ دروازہ ہے توبہ کا استغفار کا۔ آدمی دل سے توبہ کرے، اپنے اللہ کے حضور گڑگڑائے، تضرع اور عاجزی کے ساتھ اس کی رحمتوں کا طالب ہو، تو یقین ہے کہ اللہ اپنی رحمتوں سے ضرور نوازیں گے، توبہ کی تاکید قرآن کریم میں بھی متعدد جگہ پر آئی ہے، ارشادِ ربانی ہے:

''اے مومنو! تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو، تاکہ تمھیں فلاح نصیب ہو'' (۱)

ایک دوسری جگہ پر یوں حکمِ رب ہے:

''اپنے پروردگار سے گناہوں کی معافی مانگو، پھر اس کی طرف رجوع کرو'' (۲)

ایک اور جگہ اللہ نے یہ فرمایا ہے:

''اے ایمان والو! اللہ کے حضور سچی توبہ کرو،'' (۳)

گناہ ہوگیا تو اب شرمندگی اور ندامت کے ساتھ، اللہ سے معافی مانگنی چاہیے اس میں غفلت نہ کرے، کہ دن گزرتے رہیں، احساس شرمندگی اور ندامت بھی ختم ہوجائے، دل پھر گناہ کی جانب مائل ہو، ایک کے بعد ایک گناہ، دوسرے کے بعد تیسرا گناہ۔ گناہ کی شناعت اور اس کے مہلک اثرات بھی ذہن سے محو ہونے لگیں، اس سے پہلے توبہ کرلینی چاہیے، ورنہ دل سخت سے سخت ہوتا چلے جائے گا اور پھر گناہ کرنے میں آدمی جری ہوگا، سچے دل سے توبہ کرے اور یہ ارادہ کرلے کہ آئندہ گناہ نہیں کرے گا، صرف توبہ مانگ لینے سے بات نہیں بنے گی بلکہ آئندہ کی زندگی میں گناہ کے قریب نہ جائے اس کا عہد مضبوطی کے ساتھ کرنا ہوگا، قرآن کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے ارشادات میں بھی اس کا بیان ملتا ہے کہ توبہ کرنی چاہیے آپ ﷺ نے اس کی تاکید فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کو بندے کی توبہ زیادہ پسند ہے، ارشاد رسول کریم ﷺ ہے:

''اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ سے اس شخص سے زیادہ خوش ہوتے ہیں جس نے کسی جنگل بیابان میں اپنا اونٹ گم کرکے پھر پالیا ہو''۔ (۴)

توبہ کے دروازے پر وقت کھلے ہوئے ہیں، بندے کی توبہ رب العالمین دن اور رات کے ہر حصے میں سنتے ہیں اس کے لیے کسی خاص وقت کی قید نہیں، کوئی خاص ماحول بنانے کی ضرورت نہیں، احساسِ گناہ جاگا، شرمندگی دل و دماغ پر حاوی ہوگئی اور ندامت نے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیں، بس ہاتھ اٹھائیے اور

---

(۱) النور: پارہ ۱۳، آیت ۴۲ — (۲) سورۂ ہود: پارہ: ۳، آیت ۱۱

(۳) التحریم: پارہ ۸، آیت ۲۶ — (۴) بخاری ومسلم

اللہ سے گناہوں کی توبہ کیجئے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

''اللہ تعالیٰ رات کو اپنا ہاتھ پھیلاتے ہیں تاکہ دن کو گناہ کرنے والا (رات کو) توبہ کرلے اور دن کو اپنا ہاتھ پھیلاتے ہیں تاکہ رات کو گناہ کرنے والا (دن کو) توبہ کرلے، یہ سلسلہ اس وقت جاری رہے گا جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہو، جو قربِ قیامت کی ایک بڑی نشانی ہے، اس نشانی کے ظاہر ہونے کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہوجائے گا''۔(۱)

جب سورج کے طلوع ہونے کی سمت بدل جائے مشرق کے بجائے مغرب سے نکلے اس سے پہلے اللہ رب العزت توبہ کے دروازے کھلے رہتے ہیں اور جب یہ نشانی ظاہر ہوگئی تو پھر توبہ کا دروازہ بند کردیا جائے گا۔ اسی مفہوم کو ایک دوسری حدیث میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ آدمی کی توبہ عالمِ نزع طاری ہونے سے پہلے قبول فرماتے ہیں''۔(۲)

جب نزع کی کیفیت طاری ہوگئی اور وقتِ آخر قریب آگیا، سانسوں کی ڈور ٹوٹنے لگی اور ہر جانب سے موت کا چہرہ دکھائی دینے لگا اس وقت توبہ قبول نہیں کی جائے گی، توبہ کرنے کا وقت نزع ہونے سے پہلے تک ہے اسی لیے یہ کہا گیا کہ جوں ہی گناہ سرزد ہو، آدمی اپنے گناہ پر متنبہ ہوکر معافی کا خواستگار ہو، خداوند کریم معاف فرمانے والے ہیں وہ اپنے ان بندوں کو جو عاجزی اور خاکساری کے ساتھ اس کی بارگاہ میں توبہ کررہے ہیں محروم نہ کریں گے۔

❁......❁......❁

(۱) بخاری ومسلم (۲) ترمذی

**قسط (۱)**

# وقت ارتداد میں امت مسلمہ کو صدائے حق بلند کرنے والے مؤذن کی ضرورت

مولانا اسامہ صدیقی نانوتوی ❖

حق تعالیٰ شانہ کی اس کائنات میں روز اول سے یہ سنت رہی کہ اس نے ہر زمانے میں ایسے منتخب افراد کو پیدا فرمایا جو صدائے حق بلند کرتے رہے، اور باطل کے سامنے سینہ سپر ہوکر اذان حق بلند کرتے رہے، انہوں نے کسی بھی حال میں اذان دینا نہیں چھوڑی، جب کہ اہل باطل کی طرف سے کوئی حربہ ایسا نہیں جس کا استعمال انہوں نے نہ کیا ہو کہ یہ معدودے چند منتخب افراد کسی بھی طرح صدائے حق بلند نہ کر سکیں اور اذان حق نہ دے سکیں، ان کو مادی لالچ دینے کی کوششیں کی گئیں، ان کے سامنے بڑے بڑے عہدوں اور منصبوں کی پیش کش کی گئی، اقتدار چھیننے کی دھمکیاں دی گئیں، ڈرایا گیا، دھمکایا گیا، دردناک سزاؤں کے ذریعہ ٹارچر کیا گیا، اہل خانہ کو اپنے قبضہ میں کرکے ان سے اعتراف باطل کروانے کی ناجائز کوششیں کروائی گئیں، احقاق حق اور ابطال باطل کی خاطر دردناک قید و بند کی صعوبتیں برداشت کروائی گئیں، تختہ دار پر کھڑا کرکے باطل کے سامنے سرنگوں ہونے اور اس کا اعتراف کرنے کے لیے کہا گیا، مگر اہل حق کا ہمیشہ یہ معاملہ رہا کہ انہوں نے ہر حال میں صدائے حق بلند کی، ہر جگہ علم حق بلند کیا، باطل کے سامنے حق گوئی کو اپنا شعار بنایا۔ استقامت کا پہاڑ بن کر باطل کا مقابلہ کیا، ہمیشہ ان کی آواز یہ رہی کہ۔

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم ☆ سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا
کچھ بات ہے کہ ہستی مٹتی نہیں ہماری ☆ صدیوں رہا ہے دشمن دور زماں ہمارا

یہی وہ حضرات ہیں جن کے متعلق حق تعالیٰ شانہ نے اپنے کلام میں ارشاد فرمایا: **الَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيْمَاناً وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ،**

---

❖ جمعیۃ الامام محمد قاسم النانوتوی، نانوتہ

فَانقَلَبُواْ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوءٌ وَاتَّبَعُواْ رِضْوَانَ اللّهِ وَاللّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ. إِنَّمَا ذَلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءهُ فَلاَ تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ. (۱)

ترجمہ: یعنی یہ ایسے مخلص لوگ ہیں کہ بعض لوگوں نے ان سے آکر کہا کہ ان لوگوں نے تمہارے مقابلہ کے لیے بڑا سامان جمع کیا ہے، لہٰذا تم کو ان سے اندیشہ کرنا چاہیے تو اس خبر نے ان کے جوش ایمان کو اور زیادہ کردیا اور نہایت استقلال سے یہ کہہ کر ان کی بات کو اڑادیا کہ ہم کو حق تعالیٰ مشکلات کے لیے کافی ہے اور وہی سب کام سپرد کرنے کے لیے اچھا ہے (اس کو توکل کہتے ہیں) تو یہ لوگ اللہ کی نعمت اور فضل سے بھرے ہوئے واپس آئے کہ ان کو کوئی ناگواری پیش نہیں آئی۔ اور وہ لوگ اس واقعہ میں رضائے حق کے تابع رہے (اس کی بدولت اپنی دینوی نعمتوں سے سرفراز ہوئے) اور اللہ تعالیٰ بڑا فضل والا ہے۔ (مسلمانوں) اس سے زیادہ کوئی (قابل اندیشہ) بات نہیں کہ یہ مخبر (فعلاً) شیطان ہے کہ اپنے (ہم مذہب) دوستوں سے تم کو ڈرانا چاہتا ہے، سو تم ان سے کبھی مت ڈرنا اور صرف مجھ ہی سے ڈرنا اگر تم ایمان والے ہو۔

اس آیت شریفہ میں ایسے حضرات کا تذکرہ ہے کہ جب لوگوں نے ان سے کہا کہ تمہارے خلاف دشمنوں نے بڑا سامان اکٹھا کیا ہے، ان سے ڈرو۔ جنگ کا ارادہ نہ کرو، تو اس خبر نے ان کا جوش ایمان اور بڑھا دیا، وجہ یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت جب ان حضرات نے قبول کی تھی تو پہلے ہی دن سے محسوس کرلیا تھا کہ ہم نے جس راستہ پر سفر شروع کیا ہے وہ پرازخطر۔ قدم قدم پر مشکلات وموانع پیش آئیں گے، راستہ روکا جائے گا اور ہر طرح کی انقلابی تحریک کو مٹانے کے لیے مسلح کوششیں کی جائیں گی، اس لیے جب یہ حضرات اس قسم کی مشکلات کو دیکھتے تھے تو ایمان کی قوت پہلے سے زیادہ ہوجاتی تھی اور پہلے سے زیادہ جانفشانی اور فداکاری کے ساتھ کام کرنے لگتے تھے۔ ایسے لوگوں کو حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے تین نعمتیں ملتی ہیں:

پہلی نعمت یہ کہ اہل باطل کے قلوب میں ان کا رعب اور ہیبت ڈال دیتا ہے، دوسری نعمت اللہ تعالیٰ مختلف شکلوں میں انعامات سے نوازتا ہے۔ جس کو ''فضل'' سے تعبیر کیا گیا۔ اور تیسری نعمت جو ان تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہے وہ رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ جو لوگ حق کا اعلان کرتے ہیں اور باطل کے سامنے سینہ سپر ہوکر احقاق حق اور ابطال باطل کرتے ہیں ان کو اللہ رب العزت ایسا رعب ودبدبہ عطا فرمادیتے ہیں جس کے سامنے نظام باطل مرعوب ہوکر رہ جاتا ہے ارشاد باری ہے: الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَداً إِلَّا اللَّهَ وَكَفَى بِاللَّهِ حَسِيباً. (۲)

(۱) سورہ آل عمران: ۱۷۵ (۲) سورۃ الأحزاب: ۳۸

وہ لوگ جو اللہ کے پیغام کو پہنچانے کے فرائض انجام دیتے ہیں وہ صرف اور صرف اللہ ہی سے ڈرتے ہیں کسی اور سے نہیں ڈرتے اللہ حساب کرنے کے لیے کافی ہے۔

آج پھر امت کو ایسے باشعور افراد کی اشد ترین ضرورت ہے جو لومۃ لائم کی پروا کیے بغیر ہر مجلس، ہر محفل میں، بازاروں میں، ہوٹلوں میں، ہسپتالوں اور شفا خانوں میں، کھیل کے میدانوں میں، سیاحتی مقامات پر اور سفر وحضر میں کلمہ حق کی صدا بلند کریں، علامہ اقبال رحمہ اللہ نے اپنے اشعار میں بہت سے مقامات پر اس کی وضاحت اور صراحت فرمائی ہے۔

وہ اپنی مشہور نظم ''سید کی لوح تربت'' میں ارشاد فرماتے ہیں:

عرض مطلب سے جھجک جانا نہیں زیبا تجھے ☆ نیک ہے نیت اگر تیری تو کیا پروا تجھے

بندۂ مؤمن کا دل بیم وریاء سے پاک ہے ☆ قوتِ فرماں روا کے سامنے بے باک ہے

اسی طرح وہ اپنی ایک نظم ''طارق بن زیاد کی دعا'' میں فرماتے ہیں:

خیاباں میں ہے منتظر لالہ کب سے ☆ قبا چاہیے اس کو خون عرب سے

تاریخ امم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت کی جہاں اس کائنات کو چلانے کے لیے بے شمار سنن کونیہ ہیں ان ہی میں ایک اہم ترین اللہ کی سنت جاریہ یہ بھی ہے کہ جو لوگ بھی صدائے حق بلند کریں گے۔ حق کو ثابت کرنے کے لیے اذانیں دیں گے، باطل کے مقابلہ میں حق پر جم جائیں گے، تو انجام کار کامیابی وکامرانی ان ہی کے قدم چومے گی، اذان دینے کی جرأت ہونی چاہیے، صدائے حق بلند کرنے کے لیے آج حوصلہ اور ہمت کی ضرورت ہے، اگر خدانخواستہ ہم نے حوصلہ وہمت چھوڑ دیا اور باطل کے سامنے سرنگوں ہوکر بیٹھ گئے شخصی اور ذاتی مصلحتوں کو سامنے رکھ کر اذان حق دینا چھوڑ دی اور نظام باطل کی کثرت اور اس کی ظاہری چمک دمک سے متاثر ہوکر اپنے اصولوں کو بھول گئے، اور ہر جگہ مصلحت پسندی سے کام لے بیٹھے تو ہمارا نام بھی بہت جلد صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے گا، بلکہ سنت کونیہ کے مطابق ''ہماری داستان تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں'' کتابوں میں ایک واقعہ لکھا ہے جو آج ہمارے حالات پر بہت منطبق اور صادق آرہا ہے، ایک شخص نے ایک چوزہ بڑے ہی ذوق وشوق سے پالا، خوب اس کی کھلائی پلائی کی، جب وہ اس قابل ہوگیا کہ اذان دینے لگے تو اس مرغے کا مالک ایک دن مرغے کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ یا تو تو اذان دینا بند کردے ورنہ میں تجھ کو ذبح کر ڈالوں گا، چنانچہ اس مرغے نے غور وفکر کرکے اور اپنی ذاتی مصلحتوں کے پیش نظر یہ فیصلہ کیا کہ اگر میں نے اس کی بات مان لی تو کم از کم جان تو بچ جائے گی، جان ہے تو جہاں ہے جان نہیں تو کچھ بھی نہیں، اگر میں نے اذان دینا چھوڑ دی تو

کونسا ایسا فرق پڑے گا، اور پھر دیگر مرغے تو مستقل، اذان دے ہی رہے ہیں۔ چنانچہ اس نے ذاتی مصلحتوں کی خاطر اذان دینا چھوڑ دی۔

ایک ہفتہ کے بعد مرغہ کا مالک پھر آ گیا اور اس سے بڑے ہی شد و مد سے یہ کہا کہ صرف اس سے ہی کام نہیں چلے گا کہ تو اذان دینا چھوڑ دے بلکہ تجھ کو مرغی کی طرح کڑ کڑ بھی کرنا پڑے گا، اگر تو نے کڑ کڑ نہ کی تو میں تجھے ذبح کر کے کھا جاؤں گا، اب پھر مرغے میاں سوچ و چار میں پڑ گئے اور مصلحتیں تلاش کرنے لگے کہ شریعت کا قاعدہ بھی ہے کہ "الضرورات تبیح المحظورات" ضرورت پڑنے پر تو ناجائز چیزیں بھی جائز ہو جایا کرتی ہیں، اس وقت ضرورت اور مصلحت کا تقاضہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو دو قدم پیچھے ہٹا کر اس کی بات مان لی جائے تا کہ ابھی وقتی طور پر جان تو بچ جائے گی، جان بچانا فرض ہے، دیگر مرغے تو اذان دے ہی رہے ہیں، اگر تو نے مرغی کی طرح کڑ کڑ کر ہی لیا تو کیا فرق پڑتا ہے، ابھی کم از کم وقتی طور پر اس مصیبت کو اپنے سر سے ہٹا، بعد میں جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا، چنانچہ اس مرغے نے اس کی بات مان لی اور دن رات مرغی کی طرح کڑ کڑ کرنا شروع کر دیا، ابھی مرغے کے مالک کو ایک ہفتہ ہی گزرا ہوگا کہ وہ پھر آ گیا، اور آ کر مرغے سے کہنے لگا کہ صرف کڑ کڑ کرنے سے کام چلنے والا نہیں بلکہ تجھے مرغی کی طرح انڈے بھی دینے پڑیں گے، اگر تو نے اس سے انکار کیا تو میں تجھے ذبح کر ڈالوں گا، جب مرغے نے عاجز کر دینے والی فرمائش سنی تو سر پکڑ کر رونے لگا اور تمنا کرنے لگا کہ اے کاش میں اسی وقت اذان دے دیتا تو آج یہ دن نہ دیکھنے پڑتے، اب اس کے پاس سوائے ذبح ہونے کے اور کوئی چارہ باقی نہ رہا۔

یہ ایک واقعہ ہے، اس واقعہ پر کچھ عرض کرنے سے قبل ایک اصول کا تذکرہ کرتا چلوں اور وہ یہ کہ: "**التنازل یبدأ بخطوۃ ، ثم بعد ذلك یستحیل الرجوع**" کہ مصلحت اور مفاد کی خاطر انسان ایک ایک قدم نیچے آتا ہے، پھر وہ حقائق سے اتنا دور ہوتا چلا جاتا ہے کہ اس کے لیے ان حقائق کی طرف لوٹنا ناممکن ہو جاتا ہے، کیوں کہ ایسی صورت حال میں عام طور پر انسان غلط قدم اٹھا لیتا ہے کہ جہاں اس کو پہاڑ کی طرح ثابت قدم رہنا تھا وہاں وہ چند شخصی مصلحتوں کی خاطر سرنگوں ہوتا چلا گیا۔

اسی طرح یہ اصول بھی ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ جتنی جتنی ذمہ داریاں بڑھتی چلی جاتی ہیں اتنا اتنا ہی اس کی ثابت قدمی میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے، بلکہ انسان استقامت کا پہاڑ بنتا چلا جاتا ہے، علماء کے متعلق ایک بات یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ۔

علماء کرام بہت سی ان پابندیوں میں جکڑے ہوئے ہوتے ہیں جن میں عام طور پر عوام الناس آزاد ہوتے ہیں، کہ ایک عالم وہ کام نہیں کر سکتا جو ایک عام آدمی کر لیتا ہے، کیوں کہ علماء رہنما، قوم ہیں۔

بہر حال مذکورہ بالا واقعہ کے تناظر میں ہم اپنے حالات پر غور کریں کہ آج ہم نے بھی درحقیقت وہی کام کر رکھا ہے جو اس مرغے نے اپنی ذاتی مصلحت کو سامنے رکھ کر کیا تھا کہ روز اول ہی سے اذان دینی بند کردی جس کے نتیجہ میں اس کو یہ دن دیکھنے پڑے کہ اس کو مرغہ ہونے کے باوجود ٹارچر کیا جارہا ہے کہ وہ انڈے دے۔

ہم کو بھی مرحلہ وار ٹارچر کیا گیا اور یہ سب ہمارے ساتھ اس لیے ہوا کہ ہم نے روز اول ہی اذان نہ دی، باطل کے سامنے صدائے حق بلند کرنے سے جی چرایا، کوتاہیاں کیں، میں آپ کے سامنے تاریخ اسلام کی دو اہم شخصیتوں کا تذکرہ کرتا ہوں، جنہوں نے باطل کے سامنے آوازۂ حق بلند کیا اور تنہا ایک فرد بشر نے تاریخ کا دھارا موڑ دیا، ان میں پہلی شخصیت میرے جد امجد حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد چاروں طرف سے فتنوں نے سر اٹھایا، قریب تھا کہ دشمنان اسلام غلبہ پاجائیں اور عالم اسلام ان کے سامنے مغلوب ہوجائے، چنانچہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے باوجود تمام صحابہ کرام کے منع کرنے کے تنہا یہ فرما کر کہ ''أینقص الدین وانا حی'' کہ میرے جیتے جی دین میں کسی طرح کی کتر بیونت ہوجائے یہ ممکن نہیں اور پھر تمام فتنوں کا ایک ساتھ مقابلہ کیا۔

ان کی استقامت کے سامنے دنیا کی عظیم ترین طاقتوں کا زعم ٹوٹا، فتنہ ارتداد کا بھی خاتمہ ہوا، مانعین زکوۃ کا بھی قلع قمع ہوا، مدعیان نبوت کا بھی سر کچلا گیا، اور سینکڑوں چھوٹے چھوٹے فتنے جو سر اٹھا رہے تھے ان سے بھی نجات ملی، مزید برآں سیدنا حضرت اسامہ بن زید کا لشکر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی وجہ سے رک گیا تھا اس کو بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان ہی حالات میں روانہ فرمایا۔

(جاری)

۞......۞......۞

**قسط (۱)**

# مسئلہ ارتداد اور مسلم معاشرہ

## اسباب ووجوہات اوران کا حل

مولانا محمد اسجد عقابی ❖

آئے دن اس طرح کی خبریں گردش کرتی نظر آتی ہیں کہ فلاں شہر میں یہ حادثہ پیش آیا ہے، یا اس ماہ اتنے بچوں اور بچیوں نے غیر مذاہب کے افراد سے شادی کرلی ہے یا دین مستقیم کو چھوڑ کر دیگر افسانوی یا مسخ شدہ مذہب کو اختیار کرلیا ہے۔ جب معاملات سرخیوں میں ہوتے ہیں تو کچھ افراد کی جانب سے اقدامات کیے جاتے ہیں۔ روک تھام کی کوشش کی جاتی ہے۔ اسباب وعوامل پر بحث کی جاتی ہے۔ کچھ لائحہ عمل بنانے کی کوشش ہوتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام منصوبے پانی کے بلبلے کی مانند سطح پر ابھرتے ہیں اور پھر ختم ہوجاتے ہیں اور جب تک دوبارہ پانی میں ہلکورنہ پیدا ہو یہ بلبلے پیدا نہیں ہوتے ہیں۔ ہم ان امور کے محرکات واساسات کی تہہ تک جانے اور اس کی بیخ کنی کے بجائے فروعاتی اور غیر ضروری مباحث پر پوراز ورصرف کردیتے ہیں۔

ہمارا ملک ہندوستان مختلف مذاہب کا گہوارہ ہے۔ مختلف مذاہب کے ماننے والے ایک دوسرے کے ساتھ رہتے ہیں۔ الگ الگ بولیاں بولنے والے ایک چھت کے نیچے جمع ہوجاتے ہیں۔ الگ الگ رسم ورواج اور تہذیب وثقافت کے پیروکار باہم شیر وشکر رہتے ہیں۔ ہمارے ملک میں ایک ہی سوسائٹی میں مختلف مذاہب کے ماننے والے رہتے اور بستے ہیں۔ شہر اور دیہات تقریبا ہر جگہ یہی صورت حال ہے، استثنائی صورت بہر حال موجود ہے۔ اختلاط کی وجہ سے معاشرتی اور سماجی تعلقات قائم ہوتے ہیں۔ آپسی بھائی چارہ پیدا ہوتا ہے، ایک دوسرے کے سکھ دکھ کو سمجھنے اور پرکھنے کا موقع ملتا ہے۔ ایک دوسرے کی خوشی وغم میں شریک ہونے کا موقع ملتا ہے، لیکن کبھی کبھار یہ تعلقات غلط راہ بھی اپنا لیتے ہیں، اور پھر ان کے اثرات و نتائج تباہ کن ثابت ہوتے ہیں جو ایک گھر، خاندان نہیں بلکہ پوری قوم کے لئے باعث ننگ ہوتے ہیں۔

---

❖ استاذ دارالعلوم وقف دیوبند

ان کے تدارک کے لئے کیا اقدامات کئے جاسکتے ہیں اور کیا کرنے چاہئے۔ سطحی اور عارضی اسباب کے بجائے حقیقی اسباب کی نشاندہی اوران کی روک تھام کے لئے اقدامات دیرپا اور نافع ثابت ہوسکتے ہیں۔ تکثیری سماج میں جہاں آپ اقلیت میں ہیں وہاں اپنی شناخت قائم رکھنا اور اپنے مذہب کی مکمل پیروی کرنا جوکھم بھرا کام نہ سہی تو مشکل ضرور ہے۔ اکثریت کی تہذیب وثقافت سے وابستگی اور شناسائی یقینی بات ہے، بعض مذاہب کے تہواروں کی چکاچوند اور ذہنی وفکری آزادی نئے اذہان کو متاثر کرلیتی ہیں اورانہیں یہ دلکشی بھانے لگتی ہے۔ غیرضروری رسم ورواج کے نام پر راہ ورسم میں پختگی آتی جاتی ہے، جدت پسندی، نت نئے فیشن اور محرم وغیرمحرم کا بے محابا اختلاط یہ وہ اسباب ہیں جو یقیناً اپنی تہذیب سے دوری کا باعث بنتے ہیں۔ ایسی صورت میں ضروری ہے کہ اپنے بچوں اور بچیوں کو دینی اور اسلامی تہذیب وثقافت سے مکمل طور پر روشناس کرایا جائے، تاکہ کسی صورت وہ احساس کمتری کا شکار نہ ہوں۔ اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگی سمیت اسلامی اذہان کی پرداخت بھی انتہائی ضروری ہے تاکہ الحاد وبے دینی کے بادصرصران کے شمع ایمانی کو بجھانے سے عاجز وقاصر رہیں۔

چنداہم اسباب میں سے ایک موجودہ دور کا نظام تعلیم ہے۔ تعلیم انسان کا بنیادی حق ہے۔ مذہب اسلام نے اپنے ماننے والوں کے لئے خواہ وہ مرد ہو یا عورت علم کے حصول کو فرض قرار دیا ہے۔ حالات کے اعتبار سے علم کے حصول کے ذرائع بھی بدلتے رہے ہیں اوران کے طریقوں میں بھی نمایاں تبدیلیاں پیدا ہوتی رہی ہیں۔ لیکن موجودہ دور میں اسکول اور کالج کے نظام تعلیم نے ماضی کے تمام طریقوں کو یکسر بدل کررکھ دیا ہے۔ اسکول اور کالج کے قیام سے اوراس نئے طرز اورایجاد سے جہاں کچھ فائدے ہوئے ہیں، اس سے کہیں زیادہ اس کے نقصانات عیاں ہیں۔ موجودہ نظام تعلیم نے گرچہ علم کے بے شمار گوشوں کو وا کیا ہے، حصول علم کو سہل بنایا ہے لیکن اس نظام نے اخلاقی اقدار کا بیڑا غرق کردیا ہے۔ اس نظام میں جو سب سے زیادہ قابل تشویش پہلو ہے، وہ ہے مخلوط نظام تعلیم۔ اس سے ہر مذہب اور ہر طبقے کے افراد متاثر ہوتے ہیں۔ اسکول اور کالج میں ایک سازگار ماحول فراہم ہوجاتا ہے ان اوباشوں کے لئے جو تعلیم کے بجائے لہوولعب اور دیگر خرافات میں اپنا وقت ضائع کرتے ہیں۔ بلکہ بعض بچوں کو اس کام کے لئے باضابطہ تیار کیا جاتا ہے اورانہیں مختلف قسم کے ہتھکنڈے سکھائے جاتے ہیں۔ بچے بچیوں کی نشست وبرخاست اس طور پر مرتب کی جاتی ہے کہ ان کے دلوں سے عزت وعفت اور ناموس کی حیثیت ناپید ہوجاتی ہے۔ تعلیم، مساوات، پروفیشن، کیریئر اور شخصی آزادی کے نام پر بے حیائی، دروغ گوئی، اخلاق سوزی، بے شرمی، اور مذہب بیزاری کے ناسور ذہن میں پیوست کئے جاتے ہیں۔ ان امور کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس نظام تعلیم سے

وابستہ طلبہ اپنی ذہنی قوت واستعداد کو مغرب کی روش کے سپرد کر دیتے ہیں اور ہر وہ کام انجام دینے کو اپنے لئے باعث فخر اور ترقی کا زینہ سمجھتے ہیں جن میں اہل مغرب سرتاپا ڈوبے ہوئے ہیں۔ایسی صورت میں اپنے بچوں اور بچیوں کو ایسے خرافات سے بچانے کے لئے ضروری ہے کہ ہم ایسے اداروں کا انتخاب کریں، جہاں نظام تعلیم مخلوط نہ ہو۔ایسے ماحول میں اپنے بچوں اور بچیوں کو تعلیم دینے کی کوشش کریں، جہاں تعلیم سمیت اخلاقی اقدار بھی قائم ہو اور طلبہ کو ان اقدار سے روشناس کرایا جاتا ہو۔

سوال یہ ہے کہ کیا ایسے ادارے موجود ہیں؟ کیا ایسے اداروں میں داخلہ ممکن ہے؟ ہم ایسا نظام کیسے ترتیب دے سکتے ہیں؟ جواب واضح اور صاف ہے کہ اپنا ادارہ قائم کریں۔اپنے اسکول اور اپنے کالج قائم کریں۔ تنظیم کے تحت، ٹرسٹ کے تحت یا پھر شخصی اعتبار سے ہی سہی لیکن ادارے اپنے ہونے چاہئے۔ اداروں کا نظام اخلاقی طور پر اس قدر بلند ہو کہ غیر بھی اس جانب توجہ دیئے بغیر نہ رہ سکے۔دوسروں کی تہذیب وثقافت کو عروج بخشنے کے بجائے اسلامی ماحول میں دوسروں کو لانے کی کوشش کی جائے،اس طرح تعلیم اور اخلاقی اقدار سمیت دعوت وتبلیغ کا اہم کام بھی بلا چوں چرا انجام پائے گا۔ایسے ادارے ہو جہاں کاغذ کی ڈگری ہی نہیں بلکہ انسانیت کا سبق پڑھایا جائے، جہاں مذہب بیزاری نہیں بلکہ مذہب بیداری کی تعلیم دی جائے۔ قابل افسوس بات یہ ہے کہ یا تو ہمارے پاس ادارے نہیں ہے یا پھر اس معیار کے ادارے نہیں ہے۔اور ہم نے اب تک اس جانب خاطر خواہ پیش قدمی بھی نہیں کی ہے۔شخصی سطح پر کچھ افراد اس جانب متوجہ ہوئے ہیں لیکن ظاہر سی بات ہے کہ اتنے بڑے ملک میں "اکیلا چنا بھاڑ نہیں پھوڑتا " کے مصداق بنے بیٹھے ہیں۔ تعلیمی اور اخلاقی اعتبار سے معیاری اداروں کا قیام ناگزیر ہے۔بہت سے ادارے وجود میں آئے ہیں لیکن معیار تعلیم کے درست نہ ہونے کی وجہ سے ان کی کارکردگی قابل ذکر نہیں رہی ہے۔جس طرح پیٹ کی آگ بجھانے اور دنیاوی راحت کے لئے ہر ممکن جدوجہد اور سعی کی جاتی ہے،اس سے کہیں زیادہ ضروری ہے کہ اپنے اور اپنے اہل خانہ اور قوم کے ایمان کو بچانے کی فکر کی جائے۔یہ حکم خداوندی ہے کہ اپنے آپ کو اور اپنے اہل خانہ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔حبیب خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے ہر کوئی راعی ہے اور اس سے اس کی رعیت کے متعلق سوال کیا جائے گا۔اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ جس طرح ایک باپ اپنے بچوں کے لئے راعی ہے بعینہ اسی طرح قوم کا قائد ورہبر بھی قوم کے لئے راعی ہے۔

شورش کاشمیری کی کتاب سے ایک اقتباس پیش خدمت ہے "میاں : دریا میں جو کچھ جال دیکھتا ہے، مچھیرا نہیں دیکھتا۔میرا خیال ہے کہ ہماری تعلیم کا موجودہ نقشہ ہمیں اخلاقی انحطاط کی طرف لے جارہا ہے۔ ایک دن میری بہن نے مجھ سے کہا - ہم سبق لڑکیاں ہماری مینڈھیوں (بالوں کی گوندھی ہوئی

لٹ) کا مذاق اڑاتی ہیں۔ کہتی ہیں، ابھی تک پرانی قطع کے بال بنارہی ہو، کئی دفعہ سفید برقعوں پر ٹوکا ہے، میں چپ رہا، تیسرے روز دیکھا کہ بہن بالوں کو سلجھا رہی ہے، میں نے یہی مناسب سمجھا کہ بہنوں کو اسکول سے اٹھالوں (تعلیمی سلسلہ منقطع کردوں) کیونکہ بالوں کا سلجھاؤ ہی دلوں کا الجھاؤ بنتا ہے۔ آپ حیران ہوں گے کہ میں گھر میں ریڈیو نہیں رکھا، اس لئے کہ ریڈیو مشینی استاد جی ہے اور لڑکیاں اس سے تال سُر نکالنا سیکھتی ہیں باور کیجئے ہماری معاشرتی زندگی میں جو نفسانی بے راہ روی ابھر آئی ہے، اس کی ایک وجہ ریڈیو بھی ہے۔"

یہ شورش کاشمیری کا ستر سال قبل کا ذاتی تجربہ ہے جب انہوں نے ایک کتاب کے سلسلہ میں مختلف قسم کے افراد کے انٹرویو لئے تھے۔ ان ستر سالوں کے دوران تعلیمی اداروں میں جدت اور فیشن کے نام پر وہ سب کچھ پیدا ہو چکا ہے جو کسی بھی مہذب، شریف، باوقار اور مذہبی جذبات رکھنے والوں کے لئے (اگر غیرت نام کی کوئی شے باقی رہ گئی ہے تو) ناقابل قبول ہے۔ تعلیم، جدت پسندی، کیریئر، ڈگری، پروفیشن، سنہرے خواب، خیرہ کردینے والی چمک، فراٹے بھرتی گاڑیاں، سنہرے اور تابناک مستقبل جیسے سپنوں کی دنیا میں انسان اخلاقی اقدار کو اس قدر پامال کردیتا ہے کہ گوہر عصمت اور غیرت مرداں دونوں کا جنازہ نکل جاتا ہے۔

ایک ریڈیو اس قدر تباہ کن ثابت ہوسکتا ہے کہ وہ گھر میں موجود پردہ نشیں ماں بہنوں کی نفسانی بے راہ روی کا باعث ہوسکتا ہے، جبکہ موجودہ دور میں ریڈیو میوزیم میں سجانے کی چیز بن چکی ہے اور ان کی جگہ چلتے پھرتے اور ہر طرح کے مواد سے لبریز، ہر طرح کی نفسانی بے راہ روی کے وسائل فراہم کرنے والا، اجنبیوں سے تعلقات کی راہ استوار کرنے والا، ذاتی زندگی اور عزت وناموس کو ترقی اور شہرت کے نام پر سر بازار نیلام کرنے والا، غیرت وحمیت کے بجائے دیدہ دلیری اور بے حیائی کو فروغ دینے والا، پردہ نشین ماں بہنوں کو زینت بازار بنانے والا موبائل ہر نوجوان کے ہاتھ میں موجود ہے۔ یہ ایسا زہر ہے جس نے دینی غیرت سمیت اخلاقی حمیت کا بھی جنازہ نکال دیا ہے۔ بلاوجہ، بغیر ضرورت موبائل کی خواہش اور فرمائش کا نتیجہ بے راہ روی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ پیر ذوالفقار نقشبندی نے ایک جگہ لکھا ہے کہ کمپیوٹر اور لیپ ٹاپ وغیرہ گھر میں ایسی جگہ رکھ کر استعمال کریں جہاں گھر کے دیگر افراد کی نظریں بآسانی پہنچ سکے تاکہ گناہ وغیرہ اور دیگر فحش چیزوں کی جانب توجہ نہ ہوسکے اور کم از کم گھر کے افراد کا خوف ذہن میں باقی رہے۔ لیکن اب تو صورت حال یکسر تبدیل ہو چکی ہے، ہر کسی کے ہاتھ میں موبائل ہے جسے گھر کا کوئی دوسرا فرد استعمال کرنا تو درکنار دیکھنے کی بھی جسارت نہیں کرسکتا ہے۔ جب گناہ کرنے، گناہ پر اکسانے، گناہ پر آمادہ کرنے، گناہ کے راستے بتانے والا ہر گھر کے ہر ہاتھ میں موجود ہو، اور اس پر سرپرستوں کی جانب سے کوئی روک ٹوک نہ ہو تو پھر گناہوں کے دلدل سے بچ نکلنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ (جاری)




**آخری قسط**

# محسنِ انسانیتؐ کی سیرت اور اس کی جامعیّت

مولانا عطاء الرحمٰن قاسمی ❖

## جمہوری اور ترقیاتی دور کی ابتداء

رسول اللہ ﷺ کی ہستی تاریخِ انسانی کے دو بڑے زمانوں کے درمیان واقع ہے۔اگر ہم بعثتِ محمدی کے مقام سے کھڑے ہو کر دیکھیں تو ہمارے پیچھے کا دور جاہلانہ، جاگیردارانہ، مشرکانہ، بادشاہی، روایتی اور اوہامی دورِ تمدن پر پھیلا دکھائی دیتا ہے، اگر ہم سامنے دیکھیں تو آفاقی، و بین الاقوامی، عوامی و جمہوری، ترقیّاتی وایجادی دورِ تمدّن کی شعاعوں کا قافلہ دُور کے افق سے اڈتا دکھائی دیتا ہے اور اس دورِ عقلی وایجادی کا افتتاح خود سرتاجِ انسانیت ﷺ ہی کے ہاتھوں کرایا گیا اور آنے والے دَور کیلئے ایسے اصول دنیا کو فراہم کردئے گئے جو قیامت تک کارگر ثابت ہوسکیں اور ان اصولوں کے ساتھ ایک ایسا انسان تیّار کر کے دکھا دیا گیا، جو آنے والی ذمہ داریوں کو اٹھانے کے قابل ہوسکے۔حضور سیّد الکائنات ﷺ کے ذریعے اسی آنے والے دور کی ضروریات کے لحاظ سے روح اور بدن، اخلاق و کردار، مادّیت، معقولیت اور جذبات، اعتقاد و عمل اور فرد و جماعت کے احوال اور تقاضوں کے درمیان معجزانہ قسم کا توازن قائم کردیا گیا۔آپ ﷺ کے ہاتھوں ایک ایسی جماعت کی بنیاد رکھ دی گئی جو ایک طرف دنیا سے بے نیاز تھی اور دوسری طرف دنیا پر حکمرانی کرتی تھی۔ایک طرف خدا پرستی میں بے مثال تھی اور دوسری طرف مادّہ پرستی کو اختیار کرنے کے لحاظ سے پیش پیش تھی۔ایک طرف حق کے مقابلے میں انتہائی عاجزی سے سر جھکا دینے والی تھی اور دوسری طرف باطل کا زور توڑنے کیلئے جان و مال کی بازی لگا دینے والی تھی۔ایک طرف اپنے آپ کو رضائے الٰہی کے حوالے کرچکی تھی تو دوسری طرف فطرت و نفس پرست قوّتوں کو جھکا کر ان سے کام لینے میں چاق و چوبند تھی۔ایک طرف زہد و قناعت، عبادت و طاعت میں سرشار تھی تو دوسری طرف قیصر و کسریٰ کے تاج و تخت اور بادشاہت و سلطنت کی لگام ان کے ہاتھوں میں تھی۔یہ طاقت جونہی سیاسی

---

❖ صدر مدرسہ انصار العلوم، بنگلور

ایوانوں میں داخل ہوئی اس نے علم وحکمت کے فانوس روشن کردئے۔اس نے ایجادات کے دروازے کھول دیئے اوراس نے اجتماعی وتنظیمی دائروں کے لئے نئے نئے تجربات نہایت تیزی سے کرڈالے اور اسکی ساری حرکت، اس کی ساری ترقیات اسکے علوم اورایجادات، اس کے تمدّنی وتہذیبی کارناموں کا اصل کریڈٹ محمد عربی ﷺ کے حصے میں جاتا ہے۔

## سچّائی وراست بازی کے سپاہی

رسول اکرم ﷺ کے ہاتھوں یہی تربیت یافتہ نیکی، سچائی اورانصاف کے سپاہی ہیں جنہوں نے دنیا کے انسانوں کووہ کچھ دیا ہے جس کے ہوتے ہوئے یہ زندگی بسر کئے جانے کے کچھ قابل ہوئے۔ دنیا کے تمدّن میں آج جو جو پہلو بھی کسی قدر وقیمت سے مالا مال دکھائی دیتے ہیں وہ انہیں مایا ناز ہستیوں کا فیضان ہے۔ صحابہ کی جماعت نے انسانوں کے سامنے اعلیٰ نمونہ کی زندگی پیش کی ہے، انہوں نے تمدن اورمعاشرت کا ایک معیاراورآئیڈل ہمارے سامنے رکھا ہے، انہوں نے ہمیں زرّیں اصول ومقاصد دئے ہیں، انہوں نے تاریخ کی رگوں میں زندہ وپائدارروایات کا خون دوڑایا ہے، انہوں نے اخلاق وکردار کے تارے آسمانِ تہذیب پر جگمگادیئے ہیں، انہوں نے آدمی کو حوصلے، ارمان، امیدیں اورولولے دئے ہیں، انہوں نے اصول واعلیٰ مقاصد کے لئے قربانی اورجدّ وجہد کا درس دیا ہے۔یہی وہ ہستیاں ہیں کہ جن کے روشن کارناموں کے طفیل تاریخ اس قابل ہوئی کہ اس کا ریکارڈ محفوظ رکھا جائے اوراس سے قیامت تک دنیاکے انسان روشنی حاصل کرتے رہیں۔

## اصل مجرم ہم خود ہیں

ہم ہی آپ ﷺ کی شخصیت، جامع سیرت، پیغام اورمثالی کارنامے کودنیا سے اوجھل رکھنے والے ہیں، اپنی نگاہوں سے بھی چھپانے والے، آج پیغمبرِ دوجہاں ﷺ کی ہستی کا نئے طریقہ پرتعارف کرانے کی ضرورت ہے اور یہ خدمت شاید جوہری توانائی کے انکشاف سے بڑی خدمت ہوگی۔اب وقت ہے کہ ہم محمد بن عبداللہ کوایک انقلاب آفریں، ایک تاریخ ساز، ایک محسنِ انسانیت، ایک قائدِ تمدّن، خلافتِ ربّانی کا شہسوار، خدائی بادشاہت کا ترجمان، اسلامی سیاست کا موجد، جمہوری قیادت کا روادار اور ایک انسانِ اعظم کی حیثیت سے جانیں، اوردنیا میں متعارف بھی کرائیں۔مگرافسوس صد افسوس کہ ہم نے امّتِ محمدیّہ میں اپنے آپ کوشمار کئے جانے کے باوجود آپؐ کواسلامی سیاست اورجمہوری قیادت کا بانی اورفاونڈر تسلیم تو کیا مگراس صاف وشفّاف اسلامی سیاست کے پہلوکوسیرت سے ہٹادیا اورآپ ﷺ کی سیرت

کوصرف نماز، روزہ، حج وزکواۃ ذکرواذکاراور دیگرعبادات وطاعات تک محدود کردیا، آپ ﷺ کی عطا کی ہوئی خلافتِ الٰہی اور سیاستِ اسلامی کوسیرت سے الگ کوئی شعبہ سمجھ لیا، جبکہ آنحضور ﷺ نے مسجدِ نبوی میں صفّہ کے کچّے چبوترے کودنیا کی سیاست کا مرکز بنایااور یہیں سے اسلامی اسٹیٹ کی بنیاد رکھی اوراسلامی دعوت کے ساتھ ساتھ اسلامی سیاست کوایسا فروغ دیااور ایسی مضبوط ومستحکم بنیادرکھ دی کہ بہت کم مدّت میں اس اسلامی لشکر نے آدھی دنیاپر اسلامی عَلم نصب کردیااور دنیا کے جغرافیہ کواسلامی تحویل میں لے لیا۔

## نصف دنیا پرحکومت صرف اُمّتِ مسلمہ کا امتیاز

دنیا کی کوئی قوم، دنیا کی کوئی سوپر پاور طاقت،کوئی انقلابی شخص، دنیا کا کوئی فاتح، دنیا کا کوئی حکمران اور دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا قائدایسانہیں گزرا کہ جس نے دنیا کے آدھے جغرافیہ پر حکمرانی کی ہواوراپنی حکومت کاسکّہ مضبوطی کے ساتھ جمایا ہو،آج دنیا کی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے،آدھی دنیا پرحکمرانی کرنے کا سہراانہیں مٹھی بھرانسانوں، کچے مکانوں کے مکینوں، کھجور کی پتّی کی چھتوں اورسائبانوں میں رہنے والے درویشوں، پیوند لگے کپڑے پہننے والے رسول اللہ ﷺ کے جانثاروں باطل قوموں کے مقابلہ میں سینہ سپر ہونے والے جیالوں کے ہی سرجاتا ہے۔مگرآج دل پر پتھر رکھتے ہوئےہمیں یہ اعتراف کرناپڑتاہے کہ اس روشن اور چمکدارسنہری تاریخ ہماری پشت پر ہونے کے باوجود باطل پرست اورجن پر اللہ کاغیض وغضب نازل ہوا، جن کواللہ نے ملعون ومردود قرار دیا، اپنی رحمت سے جن کودور کردیااورجن کو یومِ جزا کا مالک جہنم کا پروانہ تھماکر ہمیشہ ہمیش کیلئے جہنم کا ایندھن بنادیگا ہم ایسے مجرموں کے جھنڈے تلے ہیں ان خدابیزار حکمرانوں کی حکمرانی میں پناہ ڈھونڈتے ہیں، ایسے خدا کے نافرمانوں، انبیاء کے دشمنوں، مسلمانوں کے معاندوں کے سامنے نبیّ مرسل ﷺ کے امتی دریوزہ گراورمحتاج دکھائی دیتے ہیں، حدتو یہ ہیکہ انبیاءکرام کی سرزمین میں آج جونام نہاد مسلم حکمران ہیں وہ پٹرول کی دولت کوپانی کی طرح بہاکرکفریہ حکومتوں سے حفاظت کی بھیک مانگتے ہوئے نظر آتے ہیں، ان باطل پرست دشمنانِ اسلام حکمرانوں کی خوشنودی وتملّق بازی میں فلسطینی مسلمانوں اورساری دنیا کے مسلمانوں کے دلوں کی دھڑکن قبلۂ اول بیت المقدس کوان کے حوالہ کردینے کامنصوبہ تیارکرلیاہے،ان دشمنان اسلام نے ستر سالوں سے لاکھوں فلسطینی مسلمانوں کوموت کے گھاٹ اتاردیا،مگرآج ایسابڑانقصان ہوجانے کے باوجود رسول اللہ ﷺ کی عطا کی ہوئی سیاست کواپنانے کے بجائے سیرت کے اس اہم پہلوسیاست کوہم نے بھلادیاہے،اس بات کا بھی

بہت زیادہ رنج ہے کہ دنیا پرست لوگ ہوں یا مذہب پرست ہوں یا ظاہری دیندار ہوں اسلامی سیاست کو اپنانے اور اس کو فروغ دینے کے بجائے، خدا کے دشمنوں اور درندہ صفت حکمرانوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے عافیت کے طلبگار دکھائی دیتے ہیں، بس اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ مسجدوں، عبادت گاہوں، علمی دانشگاہوں، تنظیموں اور خانقاہوں میں جکڑ لیا ہے، جبکہ کفریّہ اور دہریّہ حکومتیں یہی چاہتی ہیں کہ مسلمان حکومتِ اسلامیّہ وخلافتِ راشدہ کو دہرانہ سکیں اور نہ اس طرح مسلمان اسلامی سیاست کو پلٹ کر دیکھیں اسلئے انہوں نے یہ تہیّہ کرلیا کہ مسلمانوں کو تسبیحِ سحر گاہی ومزاجِ خانقاہی میں مست کردو تاکہ وہ دنیا کی حکمرانی سے دور رہیں، اسی کو شاعرِ مشرق علاّمہ اقبال نے فرمایا تھا کہ

مست رکھّو ذکر و فکرِ صُبح گاہی میں اسے

پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اسے

لہٰذا جب تک ہم تعلیم پر مکمل مہارت کے ساتھ سیرت کے اہم حصہ اور ضروری پہلو اسلامی سیاست پر توجہ نہ دیں گے اس وقت تک دنیا میں سر نہیں اٹھا سکتے اور نہ سرخ رو ہوں گے۔ یہی وہ سیرت کی جامعیّت ہے جو انسانی زندگی کے ہر ہر شعبے پر چھائی ہوئی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم سیرت کے اس جامع پیغام تلے اپنی زندگیوں کو ڈھالیں اور دنیا کے باطل پرست وخدا بے زار مذاہب کے ماننے والوں کے سامنے اپنے آپ کو اس طرح پیش کریں کہ انہیں حرفِ شکایت کا موقع ہی نہ ملے ہماری بالا دستی بھی قائم رہے اور ہماری زندگی کو اپنے لئے وہ چراغِ راہ بنالیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نیک توفیقات سے نوازے اور آپ ﷺ کی جامع سیرت کو اپنی زندگیوں کے لئے نمونہ اور حرزِ جان بنائے رکھے۔ آمین برحمتک یا ارحم الراحمین۔



# امام طحاویؒ: حیات اور علمی خدمات

مولانا عصمت اللہ نظامانی ❖

فقہائے احناف میں سے جن حضرات کو محدثین کی فہرست میں شمار کیا جاتا ہے، اور جنہوں نے علم فقہ کے ساتھ علم حدیث میں بھی گراں قدر کام کیا، اور بعد میں آنے والوں کے لیے ان علوم میں عمدہ ذخیرہ چھوڑا، ایسے حضرات میں سے ایک امام طحاوی ہیں، انہوں فقہ حنفی پر مخالفین کے اعتراضات کا بھرپور انداز میں جواب دیا ہے، اور احادیث کے ایک بڑے ذخیرے سے اس کی تائید کی ہے، حنفی مذہب کو نقلی دلائل کے ساتھ عقلی دلائل سے مبرہن کرنا ان کا خاصہ تھا۔ ذیل میں اختصار کے ساتھ ان کے حالاتِ زندگی اور علمی خدمات کا تذکرہ درج کیا جاتا ہے۔

## نام ونسب اور ولادت

ان کا مکمل نام ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ طحاوی ہے، سن ۲۳۹ھ کو ان کی ولادت ہوئی۔(۱) وہ ایک علمی خاندان کے چشم وچراغ تھے، ان کی والدہ امام شافعی کے مشہور ومعروف شاگرد امام مزنی ہمشیرہ تھیں(۲)، اور ان کے والد ادبِ عربی میں اعلی مقام رکھتے تھے، خصوصاً حفظِ اشعار میں ان کا حافظہ عمدہ تھا، امام طحاوی خود بھی اشعار وغیرہ کے سلسلے میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے، چنانچہ اپنی کتاب شرح مشکل الآثار میں اپنے والد سے استفادے کی تصریح کی ہے۔

اور ایک جگہ لکھا ہے:

**فذکرت ذلك لأبی محمد بن سلامة رحمه الله فقال لی: هذه قوافی مختلفة... إلخ. (۳)**

---

❖ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی

(۱) الجواہر المضیۃ فی طبقات الحنفیۃ للقرشی، ۱۰۳/۱، الناشر: میر محمد کتب خانہ، کراتشی

(۲) الفوائد البہیۃ فی تراجم الحنفیۃ للکنوی، (ص۳۲)، الناشر: دار السعادۃ، مصر

(۳) شرح مشکل الآثار للطحاوی، ۲۵۹/۱، تحقیق: شعیب الأرنؤوط، الناشر: مؤسسۃ الرسالۃ - بیروت، ط۱۴۱۵ھ: ۱۹۹۴م

یعنی میں یہ اشعار اپنے والد محمد بن سلامہ رحمہ اللہ کے سامنے ذکر کیے، تو انہوں نے مجھ سے کہا: یہ مختلف قافیہ ہیں۔ الخ۔

## مذہب شافعی چھوڑ کر حنفی مذہب اختیار کرنا

امام طحاوی کا پورا گھرانا مذہب شافعی پر تھا، بلکہ ان کے ماموں امام مزنی تو امام شافعی کے تلمیذِ خاص تھے، اور انتہاء درجے کے ذہین تھے، ان کے بارے میں امام شافعی فرماتے تھے:

**لو ناظر الشيطان لغلبه** (۱)

یعنی امام مزنی اگر شیطان سے مناظرہ کرے تو اس پر غلبہ پالے گا۔

اس حساب سے امام طحاوی خود بھی ابتدا میں شافعی المسلک تھے، لیکن پھر یہ مذہب ترک کر کے حنفی مذہب اختیار کرلیا۔ مذہب تبدیل کرنے کا سبب یہ ہوا کہ امام طحاوی اپنے ماموں امام مزنی سے تعلیم حاصل کرتے تھے، ایک دن وہ امام طحاوی کو کوئی مسئلہ سمجھا رہے تھے، لیکن انہیں سمجھ نہیں آ رہا تھا، یہ دیکھ کر امام مزنی نے غصہ میں آ کر کہا: **والله لا جاء منك شيء**، یعنی اللہ کی قسم! تم کوئی کارنامہ انجام نہیں دے سکو گے، اور ایک روایت کے مطابق یہ کہا: **والله لا أفلحت** (۲) یعنی واللہ! تم کامیاب نہیں ہو گے۔ امام طحاوی کی رگوں میں بھی اپنے ماموں کا خون دوڑ رہا تھا، اس لیے وہ اسی وقت اپنے ماموں کا مذہب یعنی شافعی مسلک چھوڑ کر حنفی ہو گئے، اور فقہائے احناف سے تعلیم حاصل کرنے لگے، یہاں تک کہ فقہ حنفی میں ایک بڑے امام بن گئے۔ چنانچہ جب امام طحاوی نے فقہ میں اپنی کتاب ''مختصر'' لکھی تو کہنے لگے: اللہ تعالیٰ میرے ماموں امام مزنی پر رحم کرے۔

**لو كان حيا لكفر عن يمينه.** (۳) اگر وہ زندہ ہوتے تو اپنے قسم کا کفارہ ادا کرتے۔

حنفی بننے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان کے ماموں امام مزنی احناف کی کتب کا پابندی سے مطالعہ کرتے تھے، یہ دیکھ کر امام طحاوی کے دل میں مذہبِ احناف کی وقعت پیدا ہوگئی، اس لیے آگے جا کر انہوں حنفی مذہب اختیار کیا۔ (۴)

---

(۱) طبقات الشافعية للإسنوی، ۱/۲۸، تحقیق: کمال یوسف الحوت، الناشر: دار الکتب العلمیة - بیروت، ط: ۲۰۰۲م

(۲) الجواهر المضية فی طبقات الحنفية للقرشی، (۱/۱۷۶)

(۳) لسان المیزان لابن حجر، ۱/۶۲۰، تحقیق: عبد الفتاح أبو غدة، الناشر: دار البشائر الإسلامية، ط ۲۰۰۲:م

(۴) الارشاد فی معرفة علماء الحدیث للخلیلی، ۱/۴۳۱، الناشر: مکتبة الرشد - الریاض، ط ۱۴۰۹:ه

## اساتذہ وشیوخ

امام طحاوی نے بڑے بڑے فقہاء ومحدثین اور اصحابِ علم وفضل سے علمی استفادہ کیا، ان میں چند ایک کے نام درجِ ذیل ہیں۔

ان کے ماموں امام مزنی ابوابراہیم اسماعیل بن یحییٰ، ابوجعفر احمد بن ابی عمران، قاضی ابوبکرہ بکار بن قتیبہ، یونس بن عبدالاعلیٰ وغیرہ۔ نیز عبدالعزیز بن ابی طاہر نے ان کے شیوخ پر مستقل کتاب لکھی ہے۔(۱)

## اہلِ علم کا احترام

۱- قاضی ابوعثمان احمد بن ابراہیم علم دوست شخص اور مصر کے قاضی تھے، امام طحاوی کی مجلس میں بھی باقاعدگی سے شرکت کرتے تھے، ایک دن ''اہل اسوار'' میں سے ایک آدمی نیا امام طحاوی مسئلہ پوچھا تو چونکہ قاضی ابوعثمان بھی مجلس میں موجود تھا، اور مالکی المسلک تھا، اس لیے امام طحاوی نے قاضی ابوعثمان کی رائے کے موافق جواب بتلایا اور کہا: من مذهب القاضي أيده الله كذا و كذا.

سائل نے کہا کہ میں قاضی کے پاس نہیں آیا، بلکہ آپ کے پاس آیا ہوں، امام طحاوی پھر وہی جواب دیا کہ قاضی کے مذہب میں اس کا جواب یہ ہے، یہ ماجرا دیکھ کر قاضی ابوعثمان نے امام طحاوی کو ان کے مذہب کے موافق جواب دینے کی اجازت دی تو پھر انہوں نے اپنی رائے کے مطابق جواب دیا۔(۲)

تو صاحبِ علم قاضی کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر اپنے مذہب کے موافق جواب نہ دینا امام طحاوی کے اہلِ علم کے ساتھ ادب واحترام کی عمدہ مثال ہے۔

۲- ابن طولون نے دمشق کے قاضی ابوحازم سے اوقاف سے متعلق ایک تحریر لکھوائی، اور دیگر علماء سے کہا کہ وہ بھی اس پر نظر ڈالیں، کہیں وقف فاسد کرنے والی کوئی شرط موجود نہ ہو، دوسرے تمام علماء نے کہا کہ یہ تحریر درست ہے، لیکن صرف امام طحاوی نے کہا کہ اس میں غلطی ہے، مگر وہ غلطی بیان نہیں کی۔ جب ابن طولون نے امام طحاوی کو اپنے پاس بلاکر پوچھا کہ وہ کیوں غلطی بیان نہیں کررہے؟ تو امام طحاوی نے جواب دیا کہ ابوحازم عالمِ دین ہے، ہوسکتا ہے اس کی رائے درست ہو اور میری غلط ہو۔ لہٰذا مجمع کے سامنے اس کی تغلیط نہیں کی جاسکتی۔(۳)

---

(۱) مغانی الأخیار فی شرح أسامی رجال معانی الآثار للعینی، (۱/۵۸)، دار الکتب العلمیۃ - بیروت، ط: ۱۴۲۷ھ: ۲۰۰۶م

(۲) لسان المیزان لابن حجر، (۱/۲۷۶)

(۳) مجموعۃ حکم وآداب لیاقوت المستعصمی (ص ۸۴)، الناشر: مطبعۃ الجوائب، القسطنطینیۃ

## مخالفین کی عزت کرنا

امام طحاوی نہایت جراتمند اور حق گو شخص تھے، مخالفین کے ساتھ علمی مناظرے اور مباحثے کرتے تھے، لیکن اس کے باوجود انہیں معزز و محترم گردانتے تھے، ان کی غیبت یا تحقیر کرنا تو دور کی بات، دوسروں کو بھی اپنے مخالفین کے بارے میں فضول گوئی کرنے نہیں دیتے تھے، اس کا اندازہ درجِ ذیل واقعے ہوگا۔

مصر کے قاضی ابوعبید بن حربویہ کی یہ عادت تھی کہ وہ ہر روز شام کو کسی ایک عالم کے ساتھ علمی مباحثہ کیا کرتے تھے، اس طرح پورا ہفتہ تقسیم کر رکھا تھا، ایک شام امام طحاوی کے ساتھ مباحثہ اور مذاکرہ تھا، امام طحاوی نے اس سے کہا کہ وہ اپنے کارندوں کا محاسبہ کرے؛ کیونکہ ان کے بارے میں کچھ غیر مناسب باتیں پھیل رہی تھیں۔ قاضی ابوعبید نے کہا کہ قاضی اسماعیل بن اسحاق تو ان کا محاسبہ نہیں کیا کرتا تھا، امام طحاوی نے جواب دیا کہ قاضی بکار ان کا محاسبہ کیا کرتا تھا، اس سلسلے میں ان کے درمیان مناقشہ و مباحثہ ہوا، اور ان کارندوں نے بھی جلتی پر تیل کا کام دکھایا، جس کی وجہ سے ان دونوں کے درمیان اختلاف کی جڑیں مضبوط ہوگئیں۔

کچھ عرصہ کے بعد قاضی ابوعبید معزول ہوا، تو امام طحاوی کے فرزند علی نے آکر اپنے والد کو مبارک باد دی، امام طحاوی نے اس کو ڈانٹا اور فرمایا:

**وهذه تهنئة؟ هذه والله تعزية، لمن أذاكر بعده؟ أو لمن أجالس؟(۱)**

کیا یہ مبارک باد پیش کرنے کی چیز ہے؟ اللہ کی قسم! یہ موقعہ تو تعزیت کرنے کا ہے، اس کے جانے کے بعد میں کس کے ساتھ مذاکرہ کروں گا، اور کس کی علمی مجلس میں بیٹھوں گا؟

## تصانیف و تالیفات

امام طحاوی نے متعدد علوم وفنون میں کئی بہترین کتابیں تصنیف کیں، اپنی مؤلفات میں انہوں نے نقلی دلائل کے ساتھ عقلی اور منطقی دلائل بھی ذکر کیے ہیں، ان تصانیف میں سے بعض کا ذکر حسبِ ذیل ہے۔

شرح معانی الآثار: اپنے موضوع پر بہترین کتاب ہے، امام عینی سمیت بہت سے حضرات نے اس کی شروحات لکھی ہیں۔ اسی طرح ان کی کتاب ''شرح مشکل الآثار'' بھی اپنے فن میں بے مثال ہے۔

عقیدہ طحایہ: اس میں احناف کے ائمہ ثلاثہ کیموافق عقائد اختصار کے ساتھ ذکر کیے گئے ہیں۔

احکام القرآن، الشروط الصغیر، الشروط الکبیر، الرد علی کتاب المدلسین للکرابیسی اور ان کے علاوہ دیگر بہت سی کتب آپ علمی صلاحیت کی گواہ ہیں۔

---

(۱) لسان المیزان لابن حجر، (۱/۶۲۷)

## امام ابوحنیفہ سے عقیدت

امام طحاوی کو امام ابوحنیفہ سے بہت عقیدت تھی، اس لیے بعض حضرات نے ان پر متعصب ہونے کی تہمت بھی لگائی، گو کہ یہ بات حقیقت کے خلاف ہے، امام صاحب سے عقیدت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ کسی مخالف کو یہ شعر پڑھتے سنا:

**إن كنت كاذبة الذى حدثتنى ☆ فعليك أثم أبى حنيفة أو زفر**

یعنی اگر تم اپنی بات میں جھوٹے ہو تو تم ابوحنیفہ یا زفر کا گناہ ہو۔

یہ سن کر امام طحاوی نے فرمایا: **وددت لو أن على إثمهما وأن لى أجرهما .(۱)**

میری یہ خواہش ہے کہ ان دونوں کا گناہ مجھ پر ہو، اور ان کا اجر وثواب مجھے ملے۔

## امام طحاوی کے تفردات

تاریخ پر نظر کرنے سے یہ بات معلوم ہوگی کہ عام طور پر عبقری شخصیات کے جمہور اہل علم سے ہٹ کر تفردات ہوتے ہیں، اسی طرح امام طحاوی کی بھی بعض مسائل میں جمہور احناف کے خلاف آراء تھیں، اور اسی سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ امام طحاوی متعصب نہیں تھے۔ ان تفردات میں سے بطورِ مثال دو مسائل درجِ ذیل ہیں:

۱- جمہور فقہائے احناف کے نزدیک اگر کسی نے حرام نشے کی حالت میں طلاق دی تو اس کی طلاق واقع ہوجائے گی (۲)، جبکہ جمہور کے برخلاف امام طحاوی کے نزدیک نشے کی حالت میں طلاق دینے سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔ (۳)

۲- امام طحاوی کے تفردات میں سے یہ بھی ہے کہ ان کے نزدیک طواف کی دو رکعت فجر اور عصر کے بعد پڑھنا بلا کراہت جائز ہے (۴)، جبکہ جمہور احناف کے نزدیک ان اوقات میں دوگانہ طواف پڑھنا مکروہ ہے۔ (۵)

---

(۱) لسان المیزان لابن حجر، (۱/۲۷۶)

(۲) البحر الرائق شرح کنز الدقائق لابن نجیم، (۳/۴۳۱)، الناشر: دار الکتب العلمیۃ - بیروت، ط ۱۴۱۸ھ: ۱۹۹۷م

(۳) شرح مشکل الآثار للطحاوی، باب مشکل ماروی عن رسول اللہ ﷺ فی أحکام أقوال السکران وأفعالہ، (۱۲/۲۴۵)

(۴) شرح معانی الآثار للطحاوی، (۲/۱۸۹)، الناشر: عالم الکتب، ط ۱۴۱۴ھ: ۱۹۹۴م

(۵) بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع للکاسانی، (۱/۲۹۶)، الناشر: دار الکتب العلمیۃ - بیروت، ط ۱۴۰۶ھ: ۱۹۸۶م

## اہلِ علم کی آپ کے متعلق آرا

بہت سے ائمہ کرام نے ان کی مدح کی ہے، انہیں بلند پایہ القاب سے یاد کیا ہے، اوران کی علمیت، ذہانت، زہدوتقوی اور علمی خدمات کاواضح الفاظ میں اقرار کیا ہے، چنانچہ ان میں سے بعض کا کلام درجِ ذیل ہے۔

۱- علامہ ابن ندیم (ت ۳۵۸ھ) نے انہیں علم وزہد میں یکتائے زمانہ کہا ہے۔"**وكان أوحد زمانه علما وزهدا**"(۱)

۲-ابوسعید بن یونس (ت ۳۴۷ھ) کہتے ہیں:"**وكان ثقة ثبتا فقيها عاقلا، لم يخلف مثله**"(۲)

۳-ابوسلیمان بن زبر فرماتے ہیں: **كان الطحاوی إمامًا عالمًا فاضلًا، وخصوصًا فی علم الحديث، والأحكام بالقرآن** (۳)

۴-علامہ سبط ابن جوزی (ت ۶۵۴ھ) تحریر فرماتے ہیں: **واتّفقوا على فضله، وصدقه، وزهده، وورعه.** (۴) یعنی امام طحاوی کی صداقت، فضیلت اور زہد وتقوی پر اہلِ علم نے اتفاق کیا ہے۔

۵-علامہ ذہبی (ت:۷۴۸ھ) رقم طراز ہیں: **الطحاوی :الإمام العلامة الحافظ الكبير، محدث الديار المصرية وفقيهها.... من نظر فی تواليف هذا الإمام علم محله من العلم، وسعة معارفه .**(۵)

یعنی امام، علامہ، حافظِ کبیر، دیارِ مصر کا محدث وفقیہ....جو شخص اس امام کی تالیفات پر نظر ڈالے گا، اس کو ان کا علمی مقام اور وسیع معرفت کا علم ہوجائے گا۔

۶-مولانا عبدالحی لکھنوی (ت ۱۳۰۴ھ) فرماتے ہیں: **إمام جليل القدر مشهور فی الآفاق ذكره الجميل مملوء فی بطون الأوراق** (۶)

**وفات** :جمعرات کی رات ماہ ذوالقعدہ سن ۳۲۱ھ کو مصر میں امام طحاوی کی وفات ہوئی، اور وہیں انہیں سپردِ خاک کیا گیا۔(۷)

---

(۱) الفہرست لابن ندیم، (ص:۲۵۷)، تحقیق: إبراہیم رمضان، الناشر: دار المعرفۃ -بیروت، ط۱۴۱۷ھ ۱۹۹۷م

(۲) سیر أعلام النبلاء للذہبی، (۱۱/۳۶۲)، الناشر: دار الحدیث -القاہرۃ، ط۱۴۲۷ھ: ۲۰۰۶م

(۳) مرآۃ الزمان فی تواریخ الأعیان لسبط ابن الجوزی (۱۷/۴۶)، الناشر: دار الرسالۃ العالمیۃ -دمشق، ط۱۴۳۴ھ: ۲۰۱۳م

(۴) مرآۃ الزمان فی تواریخ الأعیان لسبط ابن الجوزی، (۱۷/۴۶) (۵) سیر أعلام النبلاء للذہبی، (۱۱/۳۶۱-۳۶۲)

(۶) الفوائد البہیۃ فی تراجم الحنفیۃ للکنوی، (ص:۳۱) (۷) وفیات الأعیان لابن خلکان (۱/۷۲)، الناشر: دار صادر، بیروت




**آخری قسط**

# حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضؓ کا مشرکین مکہ کے نام خفیہ پیغام

مولانا محمد نعمان خلیل ❖

## خفیہ خط کے متوقع سنگین نتائج

تاہم دو وجوہات کی بناء پر انکا یہ عمل انتہائی سنگین، اور خطرناک نتائج کا سبب بن سکتا تھا، جس سے امت مسلمہ کو نقصان اٹھانا پڑتا:

(۱) اللہ تعالیٰ اور مسلمانوں کے دشمنوں سے اہل وعیال کے تحفظ یا کسی اور بھلائی کی امید لگانا بالخصوص جب دشمن ایسا ہو کہ جس نے صرف کلمہ حق کی بنیاد پر مسلمانوں کو گھروں سے بے گھر کیا، ان پر مظالم ڈھائے۔ ایسے دشمن سے خیر کی امید لگانا اور اس کے حصول کی خاطر دوستی کا ہاتھ بڑھانا شان صحابیت کے خلاف تھا، اس لئے اللہ رب العزت نےسورۃ الممتحنہ میں اس بات کی اصلاح فرمائی:

يَـاأَيُّهَـا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّى وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَنْ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُم. (۱)

(ترجمہ) اے ایمان والو ! نہ بناؤ میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست اپنا کہ تم ان کو پیغام بھیجتے ہو دوستی سے، اور وہ منکر ہوئے ہیں اس سے جو تمہارے پاس آیا سچا دین، نکالتے ہیں رسول کو اور تم کو اس بات پر کہ تم مانتے ہو اللہ کو جو رب ہے تمہارا۔ (۲)

(۲) غزوات اور جنگی اصولوں، اور تدبیروں کے مطابق یہ عمل انتہائی پر خطر ہو سکتا تھا۔ جو قوم اونٹ کی مینگنی کے اندر موجود کھجور کی گٹھلی دیکھ کر اپنے دشمن کی سمت، اور وقت معلوم کر سکتی تھی تو کیا وہ اس خط کا مفہوم نہ سمجھ سکتی تھی؟ اس کے پیچھے چھپے راز کو بھانپ نہ سکتی، اور اپنی مدد کے لیے کیا کچھ نہ کر سکتی تھی؟

---

❖ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی (۱) الممتحنۃ ۱ (۲) معارف القرآن

دوران جنگ چھوٹی چھوٹی باتیں جیتی جنگ کی کایا پلٹ دیتی ہیں، اس لئے یہ عمل قابل مواخذہ ضرور تھا۔ اسی لیے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مواخذہ کی اجازت چاہی، مگر آپ رضی اللہ عنہ پر رب تعالی کا خاص کرم تھا، اور غزوہ بدر میں شرکت کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ نے معاف فرما دیا۔

## (۳) مسلمان جاسوس کا حکم

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کوئی مسلمان شخص کسی کافر ملک یا فوج کی طرف سے مسلمانوں کی جاسوسی کرتا ہے، تو اس کا یہ عمل موجب سزا ہوگا کہ نہیں۔ اگر ہوگا تو اسکا دائرہ کار کیا ہوگا؟ مختلف فقہی مسالک کی بناء پر اس مسئلہ میں بھی متعدد اقوال ہیں۔

### حنفیہ کی رائے

حنفیہ کے ہاں اسے بامشقت قید میں رکھا جائے گا یہاں تک وہ توبہ کر لے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالی کتاب الخراج میں خلیفہ ہارون الرشید کو لکھتے ہیں: **وإن كانوا من أهل الإسلام معروفين فأوجعهم عقوبة وأطل حبسهم حتى يحدثوا توبة**(۱)

اگر (جاسوسوں) کا اہل اسلام سے ہونا معلوم ہو، تو انہیں تکلیف میں رکھیے، اور ان کی قید کی مدت بڑھاتے رہیں یہاں تک کہ وہ توبہ کر لیں۔

### مالکیہ کی رائے

امام مالک سے مختلف روایات سے پانچ اقوال منقول ہیں:

(۱) قتل کیا جائے گا، توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔

(۲) نشانِ عبرت بنا کر کوڑے مارے جائیں، لمبی مدت تک قید میں رکھا جائے اور پھر ملک بدر کر دیا جائے۔

(۳) امام اپنے اجتہاد سے جو مناسب سزا سمجھے وہ دے۔

(۴) قتل کیا جائے لیکن اگر توبہ کر لے تو معاف کر دیا جائے۔

(۵) اگر جاسوسی حساس نوعیت اور اہم امور کی ہو تو قتل کیا جائے، اگر ایسا نہ ہو تو وہ قید میں رکھا جائے یہاں

---

(۱) کتاب الخراج للإمام أبي يوسف ۱۸۲، فصل: فيمن مر بمسالح الإسلام من أهل الحرب وما يؤخذ من الجواسيس، ص ۲۰۷، المكتبة الأزهرية للتراث

تک کہ توبہ کرلے۔(۱)

## شافعیہ کی رائے

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، اور ایک جماعت کا کہنا ہے کہ: تعزیری جائے گی قتل جائز نہیں، اور اگر کوئی صاحب حیثیت اور قابل قدر شخص سے ایسا ہو جائے تو اسے معاف کردیا جائے۔

''شرح المہذب'' میں امام نووی (۶۷۶ھ) رحمہ اللہ تعالیٰ نقل فرماتے ہیں:

**وقال الشافعي: إذا كان هذا من الرجل ذى الهيئة بجهالة كما كان من حاطب بجهالة وكان غير متهم أحببت أن يتجافى عنه، وإن كان من غير ذى الهيئة كان للامام تعزيره۔(۲)**

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اگر یہ شخص صاحب حیثیت، اور حقیقت حال سے ناواقف ہو اور غیر متہم ہو، جیسا کہ حاطب بن ابی بلتعہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تھے، تو اس سے درگزر کرنا میرے نزدیک پسندیدہ ہے، اور اگر صاحب حیثیت اور قابلِ قدر نہ ہو تو امام کو چاہیے کہ اسے تعزیر دے۔

## خلاصہ کلام

تمام اقوال کو سامنے رکھ کر یہ بات راجح معلوم ہوتی ہے کہ خلیفۃ المسلمین (اگر خلافت قائم ہو)، بادشاہ وقت (اگر بادشاہت کا نظام ہو) اور مجلس شوریٰ اور پارلیمنٹ (جمہوری دستور میں) کی صوابدید پر یہ مسئلہ رکھا جائے، تاکہ وہ حالات کے پیش نظر، جاسوسی کی کیفیت و ہیئت کو دیکھتے ہوئے، جاسوس کی شخصی حیثیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے، عامۃ المسلمین کے فائدہ اور نقصان کو سامنے رکھ کر جو مناسب تعزیر، یا با مشقت قید یا معافی، جو بہتر سمجھیں وہ لاگو کریں۔ اگر عادی مجرم کیلئے قتل ناگزیر اور ضروری ہو جائے تو قتل کیا جائے۔

❁……❁……❁

---

(۱) النَّوادر والزِّيادات على مَا فى المدَوَّنة من غيرها من الأُمهات لأبى محمد القيروانى، المالكى (المتوفى:۳۸۶ھ) الجزء الخامس من الجهاد، فى الجاسوس من مسلم و حربى و ذمى، ۳/۳۵۳، دارالغرب الإسلامى، بيروت، ط:الأولى، ۱۹۹۹ء م

(۲) المجموع شرح المهذب للنووى، ۱۹/۳۴۳) دارالفكر

**قسط (۱)**

# حضرت مجدد الف ثانیؒ- علمِ کلام کے مجتہد

ڈاکٹر فہد انوار ❖

امامِ ربانی مجدد الف ثانی کے گرامی ناموں میں شریعت وتصوف کے نہایت قیمتی موتی پروئے ہوئے ہیں۔اسرارِ شریعت اور رموزِ تصوف کی عقدہ کشائیاں جن اصحاب دعوت کے ذریعے کرائی گئیں ان میں حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا نام اور کام نہایت نمایاں ہے۔آپ ہی کے سلسلہ کے خوشہ چین حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغہ تصنیف کر کے دین کے اس شعبے کی وقیع خدمت سرانجام دی ہے۔مکتوباتِ امام ربانی میں جابجا اسلامی مباحث تفصیل یا اجمال کے ساتھ موجود ہیں۔جس قاری نے بنیادی کلامی مباحث کو پڑھا ہو وہ بخوبی اندازہ کرسکتا ہے کہ حضرت مجدد صاحب کن مسائل کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں۔ بسا اوقات حضرت مجدد صاحب کی تحریر سے متکلمین کے درمیان کسی اختلافی مسئلہ میں قولِ فیصل پر روشنی پڑجاتی ہے۔مکتوبات میں متکلمین اور مناطقہ کی خصوصی اصطلاحات بھی موجود ہیں، اس سے بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ حضرت مجدد صاحب کشفِ صحیح اور علومِ عقلیہ ونقلیہ کے امتزاج سے ایک نتیجہ نکال کر دے رہے ہیں۔ حضرت مجدد صاحب جیسے دوٹوک انداز میں اپنے نقشبندی اور حنفی ہونے کا اظہار کرتے ہیں، اسی طرح عقیدہ میں امام المتکلمین امام ابومنصور ماتریدی رحمہ اللہ کی تحقیقات پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے آپ کو انہی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ چناچہ ایک جگہ رقم طراز ہیں:

میری رائے علمائے ماتریدیہ کی رائے کے موافق ہے۔واقعی ان بزرگوں کی شان بہ سبب پیروی ء سنتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ نہایت عظیم ہے۔ان کے مخالفوں کو فلسفی مسائل میں مشغول ہونے کے سبب وہ شان حاصل نہیں گو دونوں فریق اہلِ حق ہیں۔(۱)

''علمِ کلام اور عقائدِ اسلامیہ کے ساتھ حضرت مجدد صاحب کے تعلقِ خاص کی بشارت انہیں ابتدائے سلوک میں دی گئی تھی۔ چنانچہ ایک جگہ رقمطراز ہیں:

---

❖ اسلام آباد

(۱) مکتوباتِ امامِ ربّانی ص ۶۹۷، ج ۲، مترجم مولانا قاضی عالم الدین نقشبندیؒ، اسلامی کتب خانہ

مجھے توسطِ حال ایک رات جناب پیغمبرِ خدا ﷺ نے فرمایا کہ تم علمِ کلام کے ایک مجتہد ہو۔(۱)

اسی بشارت وقبولیت کا اثر ہے کہ حضرت مجدد صاحب جیسے بعد والوں کے لئے تصوف وسلوک کے امام ہیں ایسے ہی عقائد میں بھی مقتدا ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کو برصغیر کی تاریخ میں عقائد کی تطہیر اور صحیح اسلامی فکر و اعمال کی ترویج میں امتیازی شان حاصل ہے۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اکابر علماء دیوبند کے دینی مزاج کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس مقالہ میں علمائے دیوبند سے صرف وہ حلقہ مراد نہیں ہے جو دارالعلوم دیوبند میں تعلیم وتدریس یا افتاء وقضاء یا تبلیغ وموعظت یا تصنیف وتالیف وغیرہ کے سلسلہ سے مقیم ہے، بلکہ وہ تمام علماء مراد ہیں جن کا ذہن وفکر حضرتِ اقدس مجدد الفِ ثانی شیخ احمد سرہندی کے فکر ونظر سے چل کر حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی حکمت سے جڑا ہوا ہو۔(۲)

’’حضرت مجدد صاحب اپنے مکتوبات میں جا بجا عقائد کی درستگی پر زور دیتے ہیں، بلکہ اسے راہِ سلوک میں پہلا قدم قرار دیتے ہیں اس کے لئے ان کے نزدیک اہلسنت والجماعت کے عقائد معیار ہیں اور ان کو اپنانا از حد ضروری ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: جو کچھ ضروری ہے یہ ہے کہ اول فرقہ ناجیہ اہلسنت وجماعت کے عقائد کے موافق اپنے عقائد کو درست کریں۔(۳)

اہلسنت والجماعت کے ضروری عقائد کو آپ نے لکھ بھی دیا ہے تاکہ اس زمانے میں کسی کو شک وشبہ نہ رہے اور انہیں اپنایا جا سکے۔ اجمالی طور پر اہلسنت والجماعت کے عقائد کی ترغیب دینے اور بیان کرنے کے علاوہ آپ نے تفصیل کے ساتھ بعض عقائد کو الگ الگ بیان فرمایا ہے۔

## صفاتِ باری تعالیٰ

اللہ تعالیٰ کی ذات کی حقیقت کا ادراک ہمارے لئے ممکن نہیں، آدمی کے لئے اللہ تعالیٰ کی ذات کا صحیح ادراک یہی ہے کہ وہ اس کے پانے سے بے بسی کا اظہار کردے جیسا کہ سیدنا صدیق اکبر کی طرف منسوب ہے ’’**العجز عن درك ادراك الذات ادراك**‘‘. (ذات کو پانے سے عاجز ہو جانا ہی پالینا ہے)

گویا کہ آدمی کا اس بات کا سمجھ لینا کہ وہ ذات عالی سمجھ میں نہیں آسکتی یہی اس کی معرفت ہے۔

تو دل میں یوں آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا ☆ بس جان گیا میں تیری پہچان یہی ہے

البتہ اللہ پاک نے قرآن میں اپنی صفات کا تذکرہ فرمایا ہے تاکہ اس کے بندے اس کے بارے میں کچھ جان سکیں، مثلاً:

---

(۱) ایضا (۲) علمائے دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج، ص ۲۶۰، ادارہ اسلامیات (۳) مکتوب ۹۴ ص ۲۹۲ ج ۱

**اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ.**

**اِنَّ اللهَ غَفُوْرٌ الرَّحِيْمُ.**

**اِنَّ اللهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ.**

**اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ.**

متکلمین نے ان صفات کی مختلف انداز سے تقسیم بھی کی ہے۔ مثلاً:

صفات سلبیہ: اللہ تعالیٰ کی ذات سے کسی چیز کی نفی کرنا، جیسے: **لا جسم له.**

صفات ثبوتیہ: اللہ تعالیٰ کے لئے کسی صفت کو ثابت کرنا، جیسے: **هو العزيز الحكيم.**

پھر ایک بحث یہ کی جاتی ہے کہ صفات اللہ تعالیٰ کا عین ہیں یعنی ذات ہیں یا اللہ تعالیٰ کا غیر؟

اللہ تعالیٰ کی بعض صفات ایسی ہیں جن میں مخلوق کے تعلق سے اس کی ضد بھی ہوتی ہے جبکہ بعض میں ضد نہیں ہوتی۔ حضرت مجدد صاحب لکھتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی صفات اعتبار رکھتی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

اعتبارِ اول یہ ہے کہ فی حد ذاتہا ثابت ہیں اور اعتبارِ دوم یہ ہے کہ واجب تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قیام رکھتی ہیں۔ اعتبارِ اول کے لحاظ سے عالم کے ساتھ مناسبت رکھتی ہیں اور تعینات کے مبادی ہیں اور اعتبارِ دوم کے رو سے عالم سے مستغنی ہیں اور عالم اور اہلِ عالم کے ساتھ کسی قسم کی توجہ نہیں رکھتیں۔ (۱)

متکلمین کے نزدیک بعض صفات باری تعالیٰ امہات الصفات کہلاتی ہیں۔ یہ کتنی صفات ہیں؟ اور کون کون سی ہیں؟ ان میں اشاعرہ اور ماترید یہ کے درمیان معمولی اختلاف ہے۔ اشاعرہ کے نزدیک امہات الصفات سات ہیں۔ حیات، علم، ارادہ، قدرت، سمع، بصر اور کلام۔ ماترید یہ ایک آٹھویں صفت تکوین کو بھی ان میں شامل کرتے ہیں لہٰذا ان کے نزدیک صفات آٹھ ہو گئیں۔ اب حضرت مجدد صاحب ماترید یہ کے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: واجب الوجود کی صفاتِ ثمانیہ حقیقیہ جن میں سے اول صفت الحیاۃ ہے اور اخیر کی صفت تکوین ہے۔ تین قسم ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جس کا تعلق عالم کے ساتھ غالب اور اس کی اضافت ونسبت مخلوق کی طرف زیادہ تر ہے جیسا کہ تکوین۔ یہی باعث ہے کہ اہلسنت وجماعت میں سے ایک جماعت نے اس کے وجود کا انکار کیا اور کہا ہے کہ تکوین صفاتِ اضافیہ میں سے ہے اور حق یہی ہے کہ وہ صفاتِ حقیقیہ میں سے ہے۔ صرف اضافت اس پر غالب ہے۔ (۲)

(جاری)



---

(۱) مکتوب ۵، ص: ۳۸، ج ۲ (۲) مکتوب ۲۹۴، ص: ۷۸۲، ج ۱

# بٹ کوائن کو کون کنٹرول کرتا ہے؟

ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی ❖

کمپیوٹر سائنس نے دنیا میں ایک انقلاب برپا کر دیا ہے۔ چاہے وہ سمندر میں زیرِ آب چلنے والی آبدوز ہو یا آسمانوں کی بلندیوں پر چلتے ہوئے ہوائی جہاز، وہ پٹرول پمپ پر لگا فیول بتانے والا پینل ہو یا دماغ میں فٹ ہونے والی چھوٹی سی چپ، ہمیں ہر جگہ کمپیوٹر سائنس کے شاہکار نظر آتے ہیں اور ان میں کلیدی کردار کمپیوٹر سافٹ ویئر کا ہوتا ہے جس کی مدد سے کمپیوٹر ہارڈ ویئر یا آسان الفاظ میں مائیکرو پروسسر (microprocessor) کو کنٹرول کیا جاتا ہے۔ کمپیوٹر سافٹ ویئر کی بنیادی طور پر دو اقسام ہیں۔ پہلی قسم پروپرائیٹیر ی (Proprietary Software) سافٹ ویئرز کی ہے یعنی وہ سافٹ ویئر جو کسی کمپنی یا ادارے کی ملکیت ہوتے ہیں اور ان کو استعمال کرنے کیلئے باقاعدہ فیس دے کر لائسنس حاصل کیا جاتا ہے۔ مائیکروسافٹ ونڈوز آپریٹنگ سسٹم (Microsoft Windows Operating System) اس کی ایک مثال ہے۔ نیز ان پروپرائیٹیر ی سافٹ ویئرز میں اگر کوئی تبدیلی کرنی ہے یا کوئی خرابی واقع ہوتی ہے تو متعلقہ کمپنی ہی اس مسئلے کو حل کرتی ہے۔ عمومی طور پر پروپرائیٹیر ی سافٹ ویئرز کا سورس کوڈ بھی صارفین کے ساتھ شیئر نہیں کیا جاتا اور سافٹ ویئر بنانے والی پروپرائیٹیر ی کمپنی ہی کا سافٹ ویئر پر مکمل کنٹرول ہوتا ہے۔ دوسری سافٹ ویئر کی قسم کو اوپن سورس (Open Source Software) سافٹ ویئرز کہا جاتا ہے یعنی وہ کمپیوٹر سافٹ ویئرز جن کو استعمال کرنے کیلئے کوئی فیس ادا نہیں کرنی ہوتی اور ہر کوئی ان کو استعمال کر سکتا ہے۔ اوپن سورس سافٹ ویئرز کو عمومی طور پر پروگرامرز Developers کی ایک ٹیم یعنی کمیونٹی چلاتی ہے اور وہی اس کے اندر نت نئی ترمیمات اور تبدیلیاں کرتی ہے اور کسی ممکنہ خرابی کی صورت میں وہی کمیونٹی مل جل کر اس کا حل نکالتی ہے۔ لینکس آپریٹنگ سسٹم (Linux Operating System) اوپن سورس سافٹ ویئر کی ایک مثال ہے۔ اوپن سورس سافٹ ویئر کے اندر بھی لائسنس ہوتا ہے، ان میں مقبول جنرل پبلک لائسنس (BSD, GPU General Public License اور License) (MIT) ہیں جس کے تحت کوئی بھی شخص یا ادارہ ان سافٹ ویئرز کو استعمال، ان میں ترمیمات اور حتیٰ کہ ان کا کمرشل استعمال بھی کر سکتا ہے۔

---

❖ استاذ مونسٹر ٹکنالوجی یونیورسٹی (MTU) آئرلینڈ

بٹ کوائن کرپٹو کرنسی بھی ایک اوپن سورس بلاک چین سافٹ ویئر پروجیکٹ ہے جو کہ (GitHub) پر موجود ہے اور اس کو (MIT License) حاصل ہے یعنی اس کے کوڈ کو کوئی بھی ڈاؤنلوڈ کرسکتا ہے، استعمال کرسکتا ہے، اس میں تبدیلی کر کے اس سے ایک نیا سافٹ ویئر (کرپٹو کرنسی) بنا سکتا ہے اور حتیٰ یہ کہ اس کا کمرشل استعمال بھی کرسکتا ہے۔ جو جو کمپیوٹر پروگرامرز اس بٹ کوائن اوپن سورس پرجیکٹ کا حصہ ہیں، ان کی کی گئی بٹ کوائن کوڈ میں تبدیلیاں اور اضافات، اور وہ کس ادارے سے وابسطہ ہیں، ان میں سے کچھ کے نام بٹ کوائن ویب سائٹ اور ایم آئی ٹی کی ڈیجیٹل کرنسی انیشیٹیو (MIT Digital Currency Initiative) پر بھی دیکھی جاسکتی ہیں۔ تو بنیادی بات یہ ہیکہ دیگر اوپن سورس سافٹ ویئر پروجیکٹ کی طرح بٹ کوائن کے سورس کوڈ کا انتظام بھی کمپیوٹر پروگرامز کی ایک ٹیم سنبھالتی ہے جس کو (Bitcoin Core Development Team) کہا جاتا ہے، یہی کور ٹیم ووٹنگ کے ذریعے بٹ کوائن کے کوڈ میں ترمیمات اور اضافات کرتی ہے اور کسی مجوزہ ترمیم کو شامل کرنے نہ کرنے کا فیصلہ کرتی ہے۔

بٹ کوائن کے اندر کوڈ میں ترامیم کرنے کیلئے بٹ کوائن امپرومنٹ پروپوزل (Bitcoin Improvement Proposal BIP) کا طریقہ کار رائج ہے۔ بٹ کوائن کی اپنی ویب سائٹ پر دی گئی (BIP 2) کی وضاحت کے مطابق وہ عمومی طور پر فیصلہ سازی کے اندر آزاد ہیں اور بٹ کوائن صارفین ہی فیصلہ کرتے ہیں کہ بٹ کوائن کے اندر کون سی تبدیلیاں کرنی ہیں اور یہ ڈی سینٹرلائزڈ طریقہ کار کے مطابق ہوتا ہے البتہ جب کسی تصفیہ طلب مسئلہ کو حل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تو پھر کور ٹیم محتاط فیصلہ کرتی ہے مگر یہ مکمل طور پر واضح نہیں کہ اس کا طریقہ کار کیا ہوتا ہے اور آخری فیصلہ کس کا ہوتا ہے۔ یہ ترامیم دو طرح کی ہوسکتی ہیں ایک سافٹ فورک (Soft Fork) اور دوسری ہارڈ فورک (BIP 9-Hard Fork) کے مطابق سافٹ فورک کی صورت میں واضح مائنرز کی اکثریت ہونی چاہیے تب وہ ترمیم کی جاتی ہے۔ ہارڈ فورک ہونے کی صورت میں پوری بٹ کوائن اکانومی کو اس تبدیلی کو اختیار کرنا ہوتا ہے جس میں بٹ کوائن رکھنے والے، بٹ کوائن ایکسچینج اور سروس مہیا کرنے والے لازمی شامل ہوں۔ اس وقت سو سے زائد ترامیم سوفٹ فورک اور ہارڈ فورک کی صورت میں بٹ کوائن کوڈ کے اندر واقع ہوگئی ہیں۔ ان میں کئی ہارڈ فورک بھی شامل ہیں یعنی اتفاق رائے نہ ہونے کی صورت میں نئی کرپٹو کرنسیوں بنی ہیں۔

جس طریقے سے سینٹرل بینک شرحِ سود (Interest Rate) کو اوپر نیچے کر دیتا ہے اور مانیٹری پالیسی پر اثر انداز ہوتا ہے، اسی طریقے سے بٹ کوائن کے اندر بھی بٹ کوائن اکانومی کو خاص لوگ کنٹرول کرتے ہیں۔ مثلاً بٹ کوائن کلائنٹ ورژن (Bitcoin-Qt version 0.8.2) کے اندر بٹ کوائن کور ٹیم نیخو دہی فیصلہ کر کے ٹرانزیکشن کی فیس (0.0005 BTC) سے (0.0001 BTC)

کم کردی۔ یہ بھی کہا جاتا ہیکہ بٹ کوائن ہمیشہ بڑی چین (Longest Chain) کو سپورٹ کرتی ہے، مگر یہ کہنا سائنسی طور پر مکمل درست نہیں۔ مثلاً ۲۰ مارچ ۲۰۱۳ء کو (BIP 50) کے تحت بٹ کوائن میں ایک ہارڈ فورک ہوا، اس کے تحت جو بٹ کوائن کی بڑی چین تھی اس کو اختیار کرنے کے بجائے چھوٹی چین کو اختیار کیا گیا اور اس کیلئے اس وقت کے دو بڑے مائننگ پولز (BTC Guild) اور (Slush) کا سہارا لیتے ہوئے چھوٹی چین کو اختیار کیا گیا۔ یہ فیصلہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ بٹ کوائن اکانومی میں چند اکائیوں نے اکثریت کے فیصلے کو رد کیا۔ لہذا یہ دعویٰ کرنا کہ بٹ کوائن کے کمپیوٹر کوڈ کو کوئی تبدیل نہیں کرسکتا، اس کو کوئی کنٹرول نہیں کرتا اور اس میں وقتاً فوقتاً کوئی ترمیم نہیں کرسکتا، یہ سائنسی طور پر درست نہیں۔

سافٹ ویئرز کی اپنی قدر ہوتی ہے، ان کا استعمال کیا جاتا ہے، ان سے فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے اور ان کی خرید وفروخت بھی کی جاسکتی ہے۔ مثلاً ایڈوبی سافٹ ویئر کو گرافک ڈیزائنگ میں استعمال کیا جاتا ہیاور اوریکل سافٹ ویئر کے ذریعے سے ریکارڈ کو محفوظ کیا جاتا ہے۔ جب ہم بٹ کوائن بلاک چین سافٹ ویئر کی بات کرتے ہیں تو اصل میں ہم ایک بلاک چین سافٹ ویئر کی بات کررہے ہوتے ہیں یعنی ایک ایسا سافٹ ویئر جس کے اندر ریکارڈ (یعنی بٹ کوائن) کا اندراج کیا گیا ہے۔ لہذا بلاک چین سافٹ ویئر کو دوسرے سافٹ ویئر جیسے ڈیٹا بیس مینجمنٹ سسٹم پر محمول کیا جاسکتا ہے۔ مگر بٹ کوائن کرپٹو کرنسی بذاتِ خود کوئی سافٹ ویئر نہیں ہے، نہ اس کو سافٹ ویئر کی طرح استعمال کیا جاسکتا ہے اور نہ اس سے ذاتی انتفاع حاصل کیا جاسکتا ہے اور نہ یہ دوسرے کمپیوٹر پروگرامز اور ایپلیکیشنز کی طرح ہے۔ بٹ کوائن کرپٹو کرنسی محض چند نمبروں کا بٹ کوائن بلاک چین سافٹ ویئر میں اندراج ہے۔ لہٰذا بٹ کوائن کرپٹو کرنسی نہ ہی حسّی وجود رکھتی ہے اور نہ ہی ڈیجیٹل وجود، اس سے ذاتی انتفاع بھی حاصل نہیں کیا جاسکتا، اس کی اپنی ذاتی کچھ قدر نہیں اور یہ محض تصوراتی نمبروں کا بٹ کوائن بلاک چین سافٹ ویئر میں اندراج ہے۔ آپ اسی بٹ کوائن سافٹ ویئر کے کوڈ کو لے لیجئے اور اس کے اندر بٹ کوائن کے بجائے محض تصوراتی زمینوں کی ملکیت کا اندراج کردیجئے تو کیا محض تصوراتی زمینوں کے بلاک چین سافٹ ویئر میں اندراج سے کوئی حقیقی طور پر زمین کا مالک بن جائے گا؟ نہیں، ہرگز نہیں! بس یہی کچھ حال بٹ کوائن کرپٹو کرنسی کا ہیکہ سب سے پہلے جس نے مائننگ کی اس کو بطور انعام ۵۰ بٹ کوائن BTC تخلیق کرکے دیئے گئے یعنی یہ فرض کرلیا گیا کہ جو مائننگ میں کامیاب ہوگا اس کے ان ۵۰ بٹ کوائن کا اندراج بٹ کوائن بلاک چین سافٹ ویئر میں اس کے ایڈریس کے ساتھ کردیا گیا۔

خلاصہ یہ کہ مروجہ معاشی نظام میں حکومت اور سینٹرل بینک معاشی نظام کو کنٹرول اور ریگولیٹ کرتے ہیں اور یہ ملک کی عوام، پارلیمنٹ، اور عدالتوں کے سامنے جوابدہ بھی ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس بٹ کوائن کرپٹو کرنسی کے اندر بٹ کوائن کور ڈیویلپر ٹیم، مائننگ پولز اور بڑے بڑے بٹ کوائن ایکسچینج بٹ کوائن کی اکانومی کو مجموعی طور پر کنٹرول کرتے ہیں، انھی کی اجارہ داری ہے اور وہ کسی کے آگے جوابدہ بھی نہیں۔




# قطب ربانی شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

## حیات، کمالات، تعلیمات

مولانا عبدالقوی ذکی حسامی ❖

محبوب سبحانی، قطب ربانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا شمار ان مبارک ہستیوں میں ہیں جنکے فیوض سے ایک خلقِ کثیر مستفید ہوئی، اور ہورہی ہے۔آپ کی ارشادات وتعلیمات کتاب وسنت سے ہم آہنگ ہیں، آپ صوفی باصفا اور محبوبِ خدا تھے، بلند ہمتی، خوش اخلاقی، منکسر المزاجی، وسیع الظرفی تعلق مع اللہ جیسے اوصافِ حمیدہ کے جامع تھے، سنن کے شائق اور بدعات سے متنفر تھے، امراء سے کنارہ کشی فقراء کی ہمنشینی کو پسند فرماتے تھے، حکام وسلاطین یک گونہ دور اہل دل سے قریب رہنے کو ترجیح دیتے تھے، علماء وطلباء کا ایک جُھنڈ ہمہ وقت آپؒ کے ساتھ رہتا تھا، آپؒ کی مجالس میں طبقہائے ملت کے افراد شریک ہوکر فکرِ آخرت کیساتھ بادیدہ نم رخصت ہوتے تھے، شہر بغداد نصف سے زیادہ آپؒ کے حلقہ ارادت سے وابستہ تھا، ہزاروں قلوب آپؒ کے دستِ حق پر تائب ہوئے، آپؒ کے ذریعہ لاکھوں افراد نے اسلام قبول کیا، یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ آپؒ ایک سچے عاشقِ رسول، متبعِ سنت، پابندِ شرع کیساتھ انتہائی درجہ کے متقی تھے، انابت الی اللہ ہر وقت استحضار رہتا تھا، جسکی بناء مقربین خدا میں شمار ہوئے۔

### ولادت

آپؒ کی پیدائش یکم رمضان ۴۷۱ھ یا ۴۷۰ھ/م ۱۷/مارچ ۱۰۷۷ء یا ۱۰۷۸ء میں جیلان کے ایک مقام نَیف میں ہوئی، اسی کی طرف منسوب کرتے ہوئے جیلانی کہا جاتا ہے، جیلان یہ ایران کا شمالی مغربی حصہ میں آتا ہے اسکا شمار ایران کے خوبصورت شہروں میں ہے۔(۱)

### خاندانی پس منظر

نام عبدالقادر، کنیت ابومحمد، لقب محی الدین اور شیخ الاسلام، والدہ کا نام۔ام الخیر امۃ الجبار فاطمہ، والد کا نام۔ابوصالح بن جنگی دوست تھا، والدہ کی طرف سے حسینی اور والد کی طرف سے حسنی سید تھے، دس واسطوں کے

---

❖ استاذ دارالعلوم رشیدیہ، مہدی پٹنم

(۱) تاریخ دعوت وعزیمت

بعد آپؒ کا سلسلہ نسب حضرت علیؓ سے جا ملتا ہے۔اولاد: علامہ ذہبیؒ نے شیخ کے بیٹے کے حولہ سے لکھا ہے کہ میرے والد کی کل اولاد ۴۹ تھیں، جن میں ۲۷ ربیٹے اور ۲۲ ربیٹیاں تھیں۔(۱)

## تعلیمی روداد

سن ۴۸۸ھ ء میں جس وقت آپؒ کی عمر ۱۸ سال تھی، بغداد کو حصول علم کیلئے آپہونچے، حسن اتفاق کہئے یا تقدیری فیصلہ عین اسی سال بغداد امام غزالی سے محروم ہوا، تو امام ربانی عبدالقادر جیلانیؒ وہاں وارد ہوئے۔آپؒ وہاں پورے عزم وحوصلہ کیساتھ وقت کے نابغہ روزگار اساتذہ سے کسبِ فیض کیا، باوجود عبادت وریاضت میں طبعی میلان کے تحصیلِ علم میں جھول نہ آنے دیا۔(۲) فنونِ ادب کی تعلیم التبریزیؒ سے، فقہ حنبلی کی تعلیم ابوالوفاء بن العقیل اور ابوسعد المبارک المخزومیؒ سے، حدیث کی تعلیم ابوجعفر السراجؒ سے، اور تصوف سے انہیں ابوالخیر حماد الدباسؒ نے آگاہ کیا۔(۳)

## مکارمِ اخلاق

انسان کو یکساں طور پر خالق ومخلوق کے یہاں مقام محبوبیت جس عمل سے ملتی ہے وہ حسنِ اخلاق ہے، یہی وہ مورچہ ہے جس پر سے نبی ﷺ نے جانی دشمنوں کو بھی دینِ حق کی طرف مائل کرلیا، اور جس کے ذریعہ اسلام روز افزوں ترقی پذیر ہورہا ہوا، بالکل یہی رنگ اہل اللہ کی شان ہوا کرتی ہے، شیخ جیلانیؒ بھی اپنے معاصرین، متبعین، مریدین، متوسلین، حتیٰ کہ فقراء ومساکین سے اس قدر خوش اخلاقی سے پیش آتے تھے کہ دیکھنے والا عش عش کرتا اپنے نصیب پر نازاں رہتا، کوئی غریب ہوتا تو اسکے ساتھ بیٹھ جاتے اسکو شریک دسترخوان کرتے، بھوکوں کو کھلاتے، ضرورتمندوں پر خرچ فرماتے، علامہ ابن البخار آپؒ سے نقل کرتے ہیں اگر ساری دنیا کی دولت مجھے حاصل ہوجائے تو میں بھوکوں کو کھلادوں اور یہ بھی فرماتے تھے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری ہتھیلی میں سوراخ ہے، کوئی چیز اسمیں ٹھہرتی نہیں، ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں کہ صاحب قلائد الجواہر نے لکھا۔۔۔حکم ہوتا تھا رات کو وسیع دسترخواں بچھے، خود مہمانوں کے ساتھ کھانا تناول فرماتے، کمزوروں اور غریبوں کی ہم نشینی اختیار کرتے، طلبہ کی باتوں کو برداشت کرتے، ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ اس سے بڑھ کر کوئی شیخ کا مقرب نہیں ہے، ساتھیوں میں سے جو موجود نہ ہوتا اسکا حال دریافت فرماتے، تعلقات کا پاس ولحاظ رکھتے، غلطیوں پر عفوِ ودرگزر کا معاملہ کرتے۔(۴)

---

(۱) شیخ جیلانیؒ حیات وتعلیمات | (۲) تاریخ دعوت وعزیمت
(۳) غنیۃ الطالبین، اردو | (۴) تاریخ دعوت وعزیمت

## شیخ جیلانیؒ کے عہد کا بے دینی وسیاسی آئینہ

آپؒ بغداد میں تقریباً ۷۳ سال رہے، اس وقت کا ماحول دین بیزاری، اقتدار پرستی کا، جس طرح ہر دور میں اقتدار کی حصولیابی، کرسی کی ہوس حکام وخلفاء کا محبوب عمل کا رہا ہے، اور عوام بھی اپنے نظریاتی آقاؤں کو کامیاب وبامراد بنانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے تھے، چاہے اس دورانیہ میں اپنی جان کی بازی لگ جائے، واقعہ یہ ہے کہ سلجوقی سلاطین عباسی اقتدار کو حاصل کرنے میں بارہا معرکہ آرائی کرتے تھے، خلیفہ مُسترشد جو عہد عباسی کا طاقتور خلیفہ تھا سلطان مسعود سے جب اسکی لڑائی ہوئی تو اتفاقاً خلیفہ کو شکست فاش ہوگئی اور وہ قید کرلیا گیا، اہل بغداد جو اسکے حامی تھے کفن بردوش نکل کھڑے ہوئے، عورتیں نوحہ خواں ہوگئیں، سروں سے دوپٹے ہٹا کر اپنے خلیفہ کی بحالی کیلئے کمربستہ ہوگئیں، عوام نے مسجدوں کے منبر ومحراب کو مسمار کر ڈالا، جماعتوں میں شریک ہونا چھوڑ دیا، سطح زمین پر یہ سیاسی زلزلہ کسی بڑے حادثہ سے کم نہ تھا، اور علاقے بھی اہل بغداد کے ہم نوا بن گئے تھے، نتیجۃً سلطان مسعود نے نبض کی حرارت دیکھتے ہوئے فی الفور مسترشد کی رہائی کا حکم نامہ صادر کیا، لیکن سلجوقیوں نے مسترشد کا راستہ ہی میں قتل کر ڈالا، اور یہ سب نظارہ شیخ جیلانیؒ اپنی انکھوں سے دیکھ رہے تھے، اور بظاہر جسم وجاں سے علیحدہ تھے لیکن فکر واحساس سے ان کے حق میں کافی سنجیدہ تھے، کہ یہ امت محمدیہ اس خون آشام تاریکیوں کے دلدل سے نکل جائے اور آخرت کو اپنا نصب العین بنالے۔(۱)

## انقلابی کارنامے

ایک ایسے دور میں جب چوتھی صدی کا سورج غروب ہونے کو تھا، عالم اسلام بالخصوص بغداد میں دینی، فکری، اعتقادی، اور اسلامی اقدار کی تہذیبی روایات اپنی آخری سانسیں لے رہی تھیں، جسکی وجہ سے خالص موحدانہ افکار ورجحانات میں اعتزال، ملحدانہ فلسفیات، خلقِ قرآن جیسے نظریات امتِ مسلمہ میں در آگئیں تھیں، اس پُر آشوب ماحول میں امام غزالیؒ اور شیخ عبدالقادر جیلانیؒ عالمِ اسلام کیلئے منجانب اللہ منتخب ہوئے، جن کے ذریعہ اللہ نے انقلابی کام لیا، امام غزالیؒ کی فکری تحریک سے ایک طرف الحاد ودہریت کا سد باب ہوا، دوسری جانب شیخ جیلانیؒ کے ذریعہ امت کی اعتقادی کمزوری، بےعملی وبے یقینی اور حب دنیا پر بند لگا۔

## شیخ جیلانیؒ عقائد وتعلیمات

آپؒ اعتقاداً اہل السنۃ والجماعۃ کے پابند تھے، وہ فرماتے تھے **اعتقادنا اعتقاد السلف**

(۱) تذکرہ شیخ جیلانیؒ

**الصالح والصحابة** (سیر اعلام النبلاء) ہمارا عقیدہ وہی ہے جو تمام صحابہ کرامؓ اور سلفِ صالحین کا ہے۔ آپؒ امت کو توحید و رسالت اور آخرت کی تعلیم دیا کرتے تھے، دنیا کی بے حیثیتی کو بتلاتے تھے، اعمال صالحہ پر ابھارتے تھے، بے عملی، و بد عملی کے انجام بد سے آگاہ کرتے تھے، تعلق مع اللہ کی طرف راغب کرتے تھے، لوگوں کے قلوب میں انسانیت سے محبت پیدا کرنے کی ترغیب دیتے تھے، کتاب و سنت سے امت کو قریب فرماتے، حب دنیا سے دور رہنے کو بتلاتے، حاجت روا، مشکل کشا، اور تمام مسائل کا حل خدا کی بارگاہ سے ہوتا ہے اس فکر کی ترویج کرتے تھے، آپؒ کے ارشادات کا لب لباب یہی تھا کہ مخلوق عاجز ہے خالق قادرِ مطلق ہے ، ہر چیز اسی کے دستِ قدرت میں ہے۔ توحید خالص اور غیر اللہ کی بے حقیقی سے پُر وعظ فرمایا کرتے تھے۔ بڑے دلسوز انداز میں فرماتے تھے کہ لوگو! جناب رسول اللہ ﷺ کے دین کی دیواریں پے در پے گر رہی ہیں اور اسکی بنیاد بکھر رہی ہے اے باشندگان زمیں آؤ جو گر گیا اسے مضبوط کرو، جو ڈھب گیا اسکو درست کریں، یہ چیز ایک سے پوری نہیں ہوتی سب ہی کو مل کرنا چاہئے اے سورج اے چاند اور اے دن تم سب آؤ۔(۱)

## وفات

ایک لمبے عرصہ تک اپنے علمی و باطنی کمالات کے ذریعہ لوگوں کے قلوب میں رشد و ہدایت کا دیا جلا یا اور طبعی عمر کی آخری سانس لیکر بعمر ۹۰ سال ۱۰؍ربیع الآخر ۵۶۱ھ/ ۱۱؍اپریل ۱۱۶۶ء میں وفات پائی۔ ابن خلکان کہتے ہیں **لم یکن فی آخر عمرہ فی عصرہ مثلہ وکان الشیخ الشیوخ ببغداد** ، اخیر عمر میں انکے زمانہ میں انکی نظیر نہ تھی اور وہ بغداد کے سب سے بڑے شیخ اور فن میں مرجع تھے، (وفیات الاعیان) شیخ ندویؒ رقم طراز ہیں کہ آپکے صرف ایک خلیفہ شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ سے ہندوستان میں جو فیض پہنچا ہے اس سے شیخ جیلانیؒ کی جلالت قدر اور عظمت شان ظاہر ہوتی ہے۔(۲)



---

(۱) فیوض یزدانی، بحوالہ تذکرہ شیخ جیلانیؒ (۲) تاریخ دعوت وعزیمت

# بدگمانی؛ ایک سماجی ناسور

مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی

دینِ اسلام بلند اخلاق، اعلی کردار اور پاکیزہ اقدار پر مشتمل ایسے مثالی معاشرے کا علم بردار اور داعی ہے، جس کا ہر فرد امن و آشتی، عزت و مساوات اور بنیادی انسانی حقوق کے حوالے سے یکساں حیثیت کا حامل ہو۔ یہ بات اہل فکر و نظر پر مخفی نہیں کہ امن و سلامتی دراصل باہمی مضبوط روابط اور آپسی الفت و محبت سے فروغ پاتی ہے، جس سماج میں محبت و رواداری کا جس قدر وجود ہوگا اسی قدر وہاں امن و سلامتی کے آثار ملیں گے اور جس سرزمین پر جس قدر یہ چیزیں مفقود ہوں گی اسی قدر وہاں امن و سلامتی کا وجود خطرے میں دکھائی دے گا۔ یہی وجہ ہے کہ آپس میں سلام کو عام کرنا، ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا، بھلائی کے ساتھ لوگوں کا تذکرہ کرنا، خندہ پیشانی اور کشادہ جبینی کے ساتھ ایک دوسرے سے معاملہ کرنا وغیرہ، اسلام کی اولین ترجیحات میں ہے۔ اس کے برعکس تجسس و بدظنی، غیبت و چغل خوری، عداوت و دشمنی، حسد و قطع رحمی جیسی مہلک خصلتوں کی اسلام میں حد درجہ مذمت کی گئی ہے؛ کیوں کہ یہ مخلصانہ تعلقات کو ختم کرنے اور اسلامی اخوت کو تباہ و برباد کرنے کے بنیادی اسباب و محرکات ہیں۔

اِمام ابن حجر ہیتمی المکیؒ (۹۰۹-۹۷۳ھ) لکھتے ہیں: بدگمانی کا شمار ان کبیرہ گناہوں میں ہوتا ہے جن کا علاج لازم و ضروری ہے؛ کیونکہ جس شخص کے دل میں یہ بیماری موجود ہوگی اس کی حق تعالی سے قلب سلیم کے ساتھ ملاقات نہ ہوسکے گی، اور یہ اتنا بڑا گناہ ہے جس کے ارتکاب پر اتنی؛ بل کہ اس سے زیادہ مذمت کی جانی چاہیے، جتنی مذمت چوری، زنا کاری اور شراب نوشی جیسے گناہوں کے ارتکاب پر کی جاتی ہے؛ اس لیے کہ بدگمانی کا شر و فساد کئی گنا بڑھ کر ہے، اس کے زہرناک اثرات دیرپا ہیں، برخلاف ان گناہوں کے جن کا صدور اعضاء و جوارح سے ہوتا ہے؛ اس لیے کہ ان کے اثرات جلد زائل ہوجاتے ہیں اور توبہ و استغفار کے ذریعہ ان کا ازالہ ممکن ہے۔ (۱)

بدگمانی لوگوں کے مابین قربت و محبت کا جذبہ ختم کردیتی ہے، اخوت و دوستی کو رقابت و نفرت میں

---

❖ استاذ دارالعلوم اشرف العلوم، خواجہ باغ، حیدرآباد

(۱) الزواجر: ۱۰۶

بدل دیتی ہے، خوش گوار تعلقات کے آبگینے کو سنگ زنی کا نشانہ بنا دیتی ہے، بدگمانی صرف ایک گناہ نہیں؛ بلکہ کئی ایک گناہوں کا پیش خیمہ ہے، اسی سے تجسس پیدا ہوتا ہے، بڑائی وخود پسندی کا جذبہ انگڑائی لینے لگتا ہے، غیبت و بہتان تک کی نوبت آجاتی ہے؛ اس لیے قرآن وحدیث میں صراحتاً واشارتاً متعدد مقامات پر اس کی قباحت بیان کی گئی ہے۔

## بدگمانی کی مذمت، قرآن وحدیث کی روشنی میں

بدگمانی کی مذمت کرتے ہوئے اور بہت زیادہ گمان سے بچنے کا حکم دیتے ہوئے حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں: ''اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو یقین مانو کہ بعض گمان گناہ ہیں۔ اور بھید نہ ٹٹولا کرو، اور نہ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت کرے۔'' (۱)

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ظن کی کئی قسمیں ہیں۔ ایک ظن غالب ہے، جو کسی دلیل یا مضبوط علامت کے ساتھ قوی ہوجائے، اس پر عمل کرنا درست ہے۔ شریعت کے اکثر احکام اسی پر مبنی ہیں اور دنیا کے تقریباً تمام کام اسی پر چلتے ہیں، مثلاً عدالتوں کے فیصلے، گواہوں کی گواہی، باہمی تجارت، ٹیلی فون اور خطوط کے ذریعے سے اطلاعات اور خبر واحد کے راویوں کی روایات۔ ان سب چیزوں میں غور وفکر، جانچ پڑتال اور پوری کوشش سے حاصل ہونے والا علم بھی ظن غالب ہے؛ مگر اس پر عمل واجب ہے۔ اسے ظن اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی مخالف جانب کا یعنی اس کے درست نہ ہونے کا نہایت ادنیٰ سا امکان رہتا ہے۔ ظن کی ایک قسم یہ ہے کہ کسی وجہ سے دل میں ایک خیال آکر ٹھہر جاتا ہے؛ مگر اس کی کوئی دلیل نہیں ہوتی۔ دلیل نہ ہونے کی وجہ سے دل میں اس کے ہونے یا نہ ہونے کا امکان برابر ہوتا ہے، اسے شک بھی کہتے ہیں، یا اس کے ہونے کا امکان اس کے نہ ہونے کے امکان سے کم ہوتا ہے، یہ وہم کہلاتا ہے۔ ظن کی یہ صورتیں مذموم ہیں اور ان سے اجتناب واجب ہے۔ ''ان بعض الظن اثم'' (بیشک بعض گمان گناہ ہیں) سے یہی مراد ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان: بیشک گمان حق کے مقابلے میں کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ (۲) اور اللہ کے فرمان: یہ لوگ صرف اپنے گمان کی اور اپنی خواہشات کی پیروی کررہے ہیں (۳)۔ میں اسی ظن کا ذکر ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بدگمانی سے بچو! کیوں کہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے۔" (۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بدگمانی کو ''اکذب الحدیث'' فرمایا ہے۔ بظاہر اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے خلاف زبان سے اگر جھوٹی بات کہی جائے تو اس کا سخت گناہ ہونا ہر مسلمان جانتا ہے؛ لیکن کسی کے متعلق بدگمانی کو اتنا برا نہیں سمجھا جاتا! آپ

---

(۱) الحجرات (۲) یونس (۳) النجم (۴) صحیح بخاری

ﷺ نے متنبہ فرمایا کہ یہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے، اور دل کا یہ گناہ زبان والے جھوٹ سے کم نہیں کہ اس سے دلوں میں کذب وعداوت کا بیج پڑتا ہے، اور ایمانی تعلق جس محبت و ہمدردی اور جس اخوت و یگانگت کو چاہتا ہے، اس کا امکان بھی باقی نہیں رہتا۔

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے بیت اللہ کو خطاب کر کے فرمایا: تو کیا خوب ہے اور تیری خوشبو بھی کیسی پاکیزہ تر ہے، تو کیسا عظیم ہے اور تیری حرمت کیسی عظیم تر ہے، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے، ایک مومن کی حرمت تجھ سے بڑھ کر ہے، اس کا خون اور اس کا مال، اور یہ کہ اس کے بارے میں اچھا ہی گمان کیا جائے (۱)۔ ایک اور مقام پر سرورِ عالم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہر مومن کے ساتھ نیک گمان رکھو (۲)۔ اس حدیث کی شرح میں علماء ربّانیین لکھتے ہیں: اگر کسی شخص میں ننانوے دلائل بدگمانی کے ہوں؛ لیکن ایک راستہ حسن ظن کا ہو تو عافیت اسی میں ہے کہ حسن ظن کے اس ایک راستے کو اختیار کر لیا جائے، کیوں کہ بدگمانی پر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مقدمہ دائر فرمائیں گے اور بدگمانی کرنے والے سے پوچھیں گے کہ بدگمانی کے تمہارے پاس کیا دلائل تھے؟ اس کے برعکس نیک گمان پر بلا دلیل انعام عطا فرمائیں گے۔ حضرت شاہ عبدالغنی پھول پوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ احمق ہے وہ شخص جو مفت میں ثواب لینے کے بجائے اپنی گردن پر مقدمات قائم کرنے کے انتظامات کر رہا ہے اور اپنے لیے مصیبتیں تیار کر رہا ہے۔ نیک گمان کر کے مفت میں ثواب لو اور بدگمانی کر کے دلائل پیش کرنے کے مقدمات میں اپنی جان کو نہ پھنساؤ۔ عام طور پر بدگمانی کے نتیجے میں بغض اور کینہ بھی پیدا ہو جاتا ہے اور دل صاف نہیں رہ جاتے، جب کہ آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو خطاب کر کے فرمایا تھا کہ "اے بیٹے! اگر تم کر سکو کہ صبح و شام اس حال میں کرو کہ تمہارے دل میں کسی کے لیے بھی میل نہ ہو تو ایسا کر لو اس لئے کہ یہ میری سنت ہے اور جو میری سنت کو پسند کرتا ہے وہ مجھ سے محبت کرتا ہے اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔" کتنی بڑی بشارت ہے ان لوگوں کے لیے جو ہر طرح کی بدگمانی اور کینہ و کپٹ سے اپنے دلوں کو پاک رکھتے ہیں۔

## بدگمانی کا علاج

اگر کسی کے بارے میں برے خیالات پیدا ہوں اور بدگمانی کی صورت پیدا ہو جائے تو آنحضرت ﷺ نے اس کا علاج بھی تجویز فرمایا ہے، آپ ارشاد فرماتے ہیں: ''تین چیزیں میری امت کا پیچھا نہیں چھوڑ سکتیں، فال، حسد اور بدگمانی۔'' سوال کیا گیا کہ ان کے برے نتائج سے کیسے حفاظت ممکن ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر حسد پیدا ہو جائے تو اللہ سے استغفار کرو، اگر بدگمانی پیدا ہو تو عمل اس کے مطابق

---

(۱) سنن ابن ماجہ (۲) معجم کبیر طبرانی

نہ کرو (اوراس کو ذہن سے نکال دو)، اگر فال ہو تو بھی فال بد کی وجہ سے عمل ترک مت کرو۔‘‘(۱) کسی کے بارے میں محض خیالات کا آجانا قابل مواخذہ نہیں ہے، ایک حدیث کا مضمون ہے: "اللہ تعالیٰ نے میری امت کے وسوسوں کو معاف کر دیا جب تک وہ وسوسوں کی حد تک رہیں اوران کو دور کیا جاتا رہے(۲)" لیکن اگراس پر عمل شروع ہو گیا اور گفتگو کی جانے لگی اور ذہن میں وہ چیز بیٹھنے لگی تو اس پر مواخذہ ہوگا؛ اسی لیے آنحضرت ﷺ نے اس کا علاج یہ بتایا ہے کہ اگر برے گمان پیدا ہونے لگیں تو ان کو باقی نہ رکھا جائے۔ اکثر مواقع پر کسی کا کسی کے بارے میں سوء ظن قائم کر لینا تین خصلتوں کے سبب ہوتا ہے، جن سے اجتناب کی ضرورت ہے: (۱) عجلت پسندی اور بے صبری۔ (۲) کسی کے عیوب تلاش کرنے کے لئے تجسس۔ (۳) یک طرفہ کسی کی برائی سننا اور طرفین سے تحقیق کیے بغیر اس پر اعتماد کر لینا۔

## بدگمانی کا موقعہ نہ دیں

جس طرح کسی کے بارے میں بدگمانی کرنا گناہ ہے، اسی طرح بدگمانی کا موقعہ فراہم کرنا بھی جائز نہیں؛ مگر آج لوگ صرف بدگمانی کرنے کو غلط سمجھتے ہیں، حال آں کہ بدگمانی کا موقعہ دینا اور زیادہ غلط بات ہے۔ ’’بخاری شریف‘‘ کی ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ ایک مرتبہ مسجد میں رمضان کے آخر عشرے میں اعتکاف میں تھے، آپ کی بیوی حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا آپ سے ملنے آئیں، کچھ دیر گفتگو کرنے کے بعد جانے لگیں، تو آپ ﷺ ان کو چھوڑنے مسجد کے دروازے تک آئے، اس اثناء میں دو انصاری صحابی وہاں سے گزرے اور انھوں نے آپ ﷺ کو سلام کیا، تو آپ نے فرمایا: خبردار! یہ صفیہ ہے! (یعنی یہ گمان نہ کرو کہ کوئی دوسری عورت میرے پاس آئی ہے؛ بل کہ یہ میری ہی بیوی صفیہ ہے۔) ان دونوں نے کہا کہ سبحان اللہ! یارسول اللہ (یعنی ہم آپ کے بارے میں کیسے بدگمانی کر سکتے ہیں؟) اور ان پر یہ بات شاق گزری، تو آپ ﷺ نے فرمایا: شیطان انسان میں خون کی طرح دوڑتا ہے؛ اس لیے مجھے خوف ہوا کہ وہ کہیں تمھارے دل میں بدگمانی نہ پیدا کر دے۔ (۳)

**خلاصۂ کلام**: اپنے گمان کو صاف رکھنے اور سوچ کو پاکیزہ بنانے کے لیے ضروری ہے کہ ہم ہمہ وقت اس احساس کو تازہ رکھیں کہ ہم امتحان میں ہیں، ہم سے نہ صرف اعضاء وجوارح سے صادر ہونے والے اعمال کے بارے میں پوچھا جائے گا؛ بلکہ بدون تحقیق دل میں راسخ ہونے والے خیالات پر بھی باز پرس ہوگی۔ اگر ہم زندگی کے ہر موڑ پر اس احساس کو تازہ رکھیں تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ ہماری سوچ مثبت اور درست ہو جائے گی اور ہمارے اعمال بھی صحیح رخ پر گامزن ہوں گے۔

---

(۱) مصنف عبدالرزاق (۲) صحیح بخاری (۳) صحیح بخاری ومسلم

**قسط (۱۵)**

# علم کلام جدید

## تعارف، مسائل اور مباحث: اصولِ نانوتوی کی روشنی میں

حکیم فخرالاسلام ❖

**۱۱: ''اگر کوئی شخص اجزائے مادہ کو مع الصورت متصل واحد مان کر اُس میں اجزاءِ تحلیلیہؒ کا قائل ہو۔''**

اِس نظریہ کا حاصل یہ ہے کہ ''مادہ کو مع الصورت متصل واحد مان لیا جاوے، یعنی عالم کے اجزائے اولی ایک دفعہ کل کے کل ایک صورتِ خاص پر مع صفتِ قدامت کے موجود ہو گئے۔ اُن میں ذرات اور چھوٹے چھوٹے اجزاء نہ تھے۔ پھر جو کچھ عالم میں کائنات موجود ہوتی ہیں، وہ سب اِن اجزائے اولی کے ٹکڑے ہو ہو کر متفرق ترکیبوں سے مل کر بنتے ہیں (اِن ٹکڑوں کو اجزائے تحلیلیہ کہتے ہیں۔)

اِس مذہب میں اور پہلے مذہب (اجزائے ایمقراطیسیہ کے نظریہ) میں یہ فرق ہے کہ پہلے مذہب کی رو سے عالم کا مادہ مجتمع چیز نہ تھا؛ بلکہ نہایت باریک اجزاء تھے، اُن کے ملنے سے دنیا کی چیزیں بنیں۔

بنا دونوں مذہبوں کی ایک ہی ہے، وہ یہ کہ مادہ بوقتِ قدامت مع صورت کے موجود تھا۔ ایک قول (دیمقراطیس) پر وہ صورت ذرات کے ساتھ قائم تھی۔ اور ایک قول پر (وہ صورت) اُس مجتمع چیز کے ساتھ قائم تھی جو اصل ہے عالم کی۔

اِن دونوں تقریروں سے اُن کے نزدیک مادہ کو تغیر سے نجات مل گئی اور تغیر ہی پر بنا ہے حدوث کی۔ تو اب قدم مادہ کے قائل ہونے کی گنجائش نکل آئی۔

(اس کا جواب یہ ہے کہ) ہم کہتے ہیں کہ تغیر سے اب بھی نجات نہیں ملی، کیوں کہ ہم پوچھتے ہیں کہ یہ مادہ کے ذرات یا وہ مجتمع چیز (مادہ مع الصورت) اگر قدیم ہیں، تو... بروقتِ قدامت اُن ذرات یا مجتمع چیز کے لیے حرکت ثابت تھی یا سکون۔ اگر حرکت ثابت تھی، تو یہ ماننا پڑے گا کہ یہ (حرکت کی) صفت بھی اُن کی ذات کے ساتھ قدیم تھی اور قدیم کا عدم بھی محال ہے۔ حالاں کہ ہم بداہۃً دیکھتے ہیں کہ اِن ذرات کو سکون بھی ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ وہ ہر جسم کے جزو ہیں اور ہر جسم کو سکون بھی ہوتا ہے۔ اور جب کل

---

❖ فاضل درسیات، بی یو ایم ایس علی گڑھ۔ ایم ڈی یونانی جامعہ ہمدرد، دہلی

جسم کوسکون ہوتا ہے،تو اُس کے تمام اجزاء کوبھی سکون ہوتا ہے،جیسا کہ ظاہر ہے،توصفتِ حرکت اُن سے زائل ہوجاتی ہے۔اور جس چیز کا زوال ممکن ہے،اُس کا قدم ممتنع ہے،تو حرکت اُن کی قدیم نہ ہوئی۔اورمحل حادث بھی حادث ہی ہوتا ہے۔علی ہذا اگر حالتِ قدم میں صفتِ سکون اُن کے واسطے ثابت تھی،تو ماننا پڑے گا کہ سکون اُن کی ذات کے ساتھ قدیم تھا۔حالاں کہ اُن کوجسم کی حرکت کے ساتھ حرکت ہوتی ہے،تو سکون بھی قدیم نہ ہوا۔اورجسم یا ذات اِن دو سے خالی نہیں ہوسکتا۔پس ثابت ہوا کہ وہ اجزاء یا جسم بھی قدیم نہیں۔حاصل یہ ہوا کہ مادہ تغیر سے کسی طرح نہیں بچ سکتا۔اور جب تغیر سے نہیں بچ سکتا،تو حدوث سے بھی نہیں بچ سکتا۔پس مادہ یقیناً حادث ہے۔

**۱۲:’’اگر شبہہ کیا جاوے کہ جو اجسام علی الدوام متحرک ہیں،اگر اُن کے اجزاء کوقدیم مانا جاوے،تو اُن میں یہ دلیل نہیں چلتی؛کیوں کہ اُن کی حرکت کبھی منقطع نہیں ہوتی۔‘‘**

تو اُس کا جواب یہ ہے کہ حرکتِ جزئیہ تو یقیناً زائل ہوگی بوجہِ غیر قار ہونے کے۔(جسم دائم الحرکۃ کے آحاد کی حرکت کے نتیجہ میں یعنی اُن کے فساد(تخریبی تحول)وکون (تعمیری تحول) کے نتیجہ میں اِستحالہ ہوتا رہتا ہے جو اِن اجزاء کی جزئی حرکت ہے۔لہذا جب بھی فساد(تخریبی تحول)ہوگا،اِن اجزاء کی حرکتِ جزئیہ زائل ہو جائے گی،پھرکون (تعمیری تحول) ہونے سے نئی حرکت پیدا ہوگی اور اِستحالہ کے سہارے کیفی حرکت ظاہر ہوگی؛بالفاظِ دیگر حالتِ وجودِ حرکت میں ہر دم ایک وجود زائل ہوتا ہے اور ایک نیا وجود لاحق ہوتا ہے۔دیکھئے:تجدد امثالِ وجود’’تقریر دل پذیر‘‘ص ۳۲۵،۳۳۰،۳۳۱۔ف)....پس اُس کے عدم سے(یعنی جسم دائم الحرکۃ کی حرکتِ جزئیہ کے زوال سے۔)قدم باطل ہوگیا۔(۱)

اور اسی مذکورہ اصول سے وقوعات وذرات (Event Particles) Quarks (۱۹۶۴ء) یا Higgs boson(God particles 2012) کی دریافت اور ہاکنس(۱۹۴۲-) کی Particle physicsاور Cosmology سے متعلق تحقیقات سے پیدا ہونے والے خلجانات کا بھی ازالہ ہوجاتا ہے۔اِس کے علاوہ اِن تمام مسائل کی فہم وتفہیم کے متعلق اور اجزائے غیر منقسمہ کی تحقیق کے لیے ملاحظہ ہو:تقریر دل پذیر ص ۳۵۷تا ۳۶۹،از حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ۔



(۱)حل الانتباہات ص ۱۳۴،۱۳۵

**نقد ونظر**

# تعارف وتبصرہ

مولانا محمد اظہار الحق قاسمی ❖

**نام کتاب:** خامۂ گل ریز　　**مؤلف:** حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب مدظلہٗ

**مرتب:** مولانا ڈاکٹر محمد شکیب قاسمی صاحب　　**صفحات:** ۶۱۴

**ناشر:** حجۃ الاسلام اکیڈمی، دارالعلوم وقف دیوبند

''خامۂ گل ریز'' فکر قاسمی کے حقیقی وارث وامین، جانشین خطیب الاسلام مخدوم گرامی حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب مدظلہ (مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند) کے خامۂ فکر سے ریزیدہ ایسے پر مغز علمی، فکری، تاریخی، سوانحی، افکار و خیالات پر مشتمل مضامین ومقالات ہیں، جنہیں مرتب کتاب محترم جناب مولانا ڈاکٹر محمد شکیب قاسمی صاحب (نائب مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند) نے گل لالہ کی صورت میں ایسے چمنستان کی شکل دے دی ہے جس میں گلہائے رنگارنگ فضاء کو معطر کیے ہوئے ہیں۔ اس مجموعہ کی انفرادیت اس کے پرکشش نام سے ہی واضح ہے، جس نے منظر عام پر آتے ہی لوگوں کے دلوں پر دستک دی، اور پھر اس کے سرورق پر موجود فارسی کا ایک معروف مصرعہ ''وائے بر جان سخن گر بہ سخن داں نہ رسد'' (کلام اگر کلام کے پہچاننے والے تک نہ پہنچے تو اس کے حال پر افسوس ہے) علم وفکر سے وابستہ ہر ایک فرد کیلئے جاذبیت کا عنوان بنا۔ کتاب کے تمام مضامین سرمۂ چشم نظر ہیں، فکر انگیز ہیں، بصیرت افروز ہیں، عبارتوں کی فصاحت کثیر الجہات مطالعہ کے ساتھ موضوع کے تمام پہلوؤں کی عکاسی اور ان کا احاطہ کرتی ہے، اس کے ہر صفحہ میں رعنائی ہے، ہر مضمون میں دلکشی ہے، ہر پیراگراف میں ادبیت کے ساتھ کلام وفلسفہ کی آمیزش ہے، کتاب کا باطنی وصف یہ ہیکہ یہ کتاب نہ صرف معلومات میں اضافہ کرتی ہے بلکہ قاری کے ذہن وقلب میں ایک نشاط وحرکت پیدا کرتی ہے اور ایسا جذب وکیف عطاء کرتی ہے کہ قاری اس کی عبارتوں میں محو ہو جائے۔ اور جوش ملیح آبادی کی زبان میں تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ یوں گویا ہو کہ:

گل ریز ہیں ساحل کے لچکتے ہوئے پودے ☆ گل رنگ ہیں تالاب کے ترشے ہوئے زینے

---

❖ استاذ دارالعلوم وقف دیوبند

اس مجموعہ میں ان کے خامہ عنبر شامہ نے اتنے پھول کھلائے ہیں اور گلوں میں اتنے رنگ بھر دیئے ہیں کہ ان کی نگارشات پر دامان باغباں ہونے کا گماں ہونے لگتا ہے، وہ اپنی نگارشات میں بیک وقت عالم دین ہونے کے ساتھ ایک منطقی، فلسفی، مفکر، محقق، مصلح ادیب اور انشاء پرداز نظر آتے ہیں، وہ کسی موضوع پر اظہار خیال کریں تو ان کا قلم جابجا انشاء کے پھول کھلاتا ہے اور ادب کے موتی لٹاتا چلتا ہے، ان کا اسلوب تحریر عالمانہ بھی ہے اور مؤرخانہ بھی، داعیانہ بھی ہے اور مصلحانہ بھی، ان کا طرز نگارش استنباط مسائل اور استخراج نتائج میں حضرت حجۃ الاسلامؒ کے اسلوب تحریر کی یاد دلاتا ہے، اگر کوئی راقم تحریر کے تصور سے خالی الذہن ہو کر ان منطقیانہ وفلسفیانہ کلام پر مبنی تحریروں کا مطالعہ کرے تو اسے تحریر نانوتویؒ ہونے کا گمان ہونے لگے۔اور اگر کوئی ان تحریروں میں موجود حکیمانہ نکتہ آفرینیوں، پرشوکت ومرعوب کن کلامی مباحث میں محو ہو جائے تو اسے انداز طیبیؒ کا اندیشہ ہونے لگے۔اس تناظر میں یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ ان کی تحریریں شیشہ محدب کا وہ آتشیں نقطہ ہے جس میں قاسمیؒ تا سالمیؒ کرنوں کا نقطۂ اتحاد ہے۔اس مجموعہ مضامین میں انہوں نے ان ہی کرنوں کی چمک سے تاریخ اسلامی، سیر وتراجم، منطق وفلسفہ اور ادب وثقافت کے ایسے نقوش وآثار چھوڑے ہیں کہ جن سے رہتی دنیا تک علم وادب کے پیاسے مبتدی سیراب ہوتے رہیں گے۔مجموعی طور پر یہ کتاب امانت قلم کے احساس کا امین اور علم وادب کی خوبصورت آمیزش کا آئینہ دار ہے۔

اس مجموعہ کو آٹھ مرکزی محاور میں تقسیم کیا گیا ہے، جس میں پہلے محور کا عنوان ''مقام عبدیت'' ہے، جس کے ضمن میں چار مضامین ہیں، جو کہ بالخصوص اسلام کے اہم رکن فریضۂ حج سے متعلق ہیں، یہ مضامین صرف ارکان حج کا بیان نہیں بلکہ مقام عبدیت کے تعارف کا ذریعہ بھی ہیں، دوسرے محور کا عنوان ''سیرت رسول ﷺ'' ہے، جس کے ضمن میں دو مضمون شامل ہیں، جو کہ غیر معمولی اہمیت کے حامل ہیں، ان دونوں مضامین میں صرف سیرت رسول ﷺ ہی کا بیان نہیں بلکہ فہم رسالت سے آشنا اور روشناس کرانے کی بھی بھر پور کوشش ہے، اسلئے کہ مقصد رسالت کی فہم ہی دینی ودنیوی، ذہنی اور روحانی بالیدگی کی روح اور اساس ہے، تیسرا محور ''ذکر وفکر'' کے عنوان سے قائم ہے، جس کے ضمن میں ۱۷ مضامین شامل ہیں جن میں سے اکثر مضامین فکری ہیں، جن میں وہ اسلام کے معیار ہدایت کی جانب مسلمانوں کی توجہ مبذول کراتے ہوئے قومی، تہذیبی اور مذہبی تشخص کی بقاء اور تحفظ کے تئیں متفکر نظر آتے ہیں، ایک جگہ وہ مسلمانوں کی مستقبل سازی کے تئیں متفکر ہو کر لکھتے ہیں کہ: ''ملک کے موجودہ احوال کے تناظر میں مستقبل کے تعلق سے اگر سنجیدہ اور بامقصد لائحہ عمل تیار کرنا ہے تو لامحالہ کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کی طرف ہی رجوع کرنا ہوگا اور اسی کی روشن وبیّن رہنمائی میں ہی اپنی نسلوں کی زندگیوں کی سمت متعین کرنی ہوگی'' (۱)

(۱) خامہ گل ریز ص: ۶۹

ایسا لگتا ہے وہ موجودہ ظلمت کدہ ماحول میں اذان ہدایت دے رہے ہیں، امیدوں کا دیا جلا رہے ہیں، لیکن ان کوششوں کے باوجود اگر امید ہی برگ وبار نہ ہوں تو قوت عمل ہی معطل ہوکر رہ جاتا ہے۔ چوتھا محور ''تعلیم وتربیت'' کے عنوان سے قائم ہے، جس میں وہ تعلیم وتربیت کی غیر معمولی اہمیت کے بیان کے ساتھ قاری کو مطالعہ کی غیر معمولی اہمیت کی جانب بھی توجہ مبذول کراتے ہوئے ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ ''اکتساب علم کے حصول، اس کی بقاء واضافت اور منتقلی کے جملہ رموز ہائے سربستہ اور اس کی ماہیت و حقیقت مطالعہ میں ہی پوشیدہ ہیں، گویا کہ مطالعہ اپنی ہمہ جہت اہمیت کے لحاظ سے علم وادراک، شعور و آگہی، تعمق فکر، تیقن وایقان، تحلیل وتجزیہ، افکار ونظریات غرض کہ جملہ دوائر علمیہ اور اس کے مستدلات کو اساس فراہم کرنے میں مطالعہ کی اہمیت کو مرکزیت ومحوریت کا درجہ حاصل ہے، اور اکتساب علم کے جملہ مراحل ومظاہر اسی حقیقت اجتماعیہ کے گرد قائم ہیں اور تمام علمی وفکری محاور کے گرد یہی حقیقت مرکزیہ جلوہ طراز ہے'' (۱) پانچواں محور ''تذکرے'' کے عنوان سے قائم ہے، جس میں اپنے زمانے کی ۱۳؍ نامور اور نابغۂ روزگار شخصیات پر تقریباً سولہ مضامین شامل ہیں، جن میں سرفہرست حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ، مفکر ملت حضرت مولانا عبداللہ کاپودرویؒ وغیرہ جیسی شخصیات قابل ذکر ہیں۔ چھٹا محور ''گرد وپیش'' کے عنوان سے قائم ہے، جس میں تقریباً ۹؍ مضامین شامل ہیں، ان مضامین میں بطور خاص موجودہ احوال کا اور اس کے گرد وپیش کے وقائع کا ادراک کرکے تجزیاتی تحریر رقم کی گئی ہے، ان کے یہ مضامین فکر انگیز بھی ہیں اور بصیرت افروز بھی، چنانچہ اسی محور میں اسلام کے قیام امن کے تعلق سے انتہائی پر حکمت فکری گفتگو کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ ''قیام امن کے تعلق سے اسلام نے جو ٹھوس اور غیر متزلزل بنیادیں فراہم کی ہیں، اس سے زیادہ مضبوط اور مستحکم اساسات ہو ہی نہیں سکتی ہیں، اسی کے ساتھ یہ بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ تعامل فرد اور اصول وقوانین دو علیحدہ علیحدہ ماہیتیں ہیں، لہٰذا کسی بھی حقیقت میں تاثیری کیفیت اور نتیجہ خیزی کا رنگ بہر دو حقائق کے باہم لازمی امتزاج سے ہی پیدا ہوتا ہے اور فرد کے عدم تعامل سے اصول وقوانین کی تاثیری ماہیت اور اس کے اسرار و حکم کسی بھی طور پر متاثر نہیں ہوتے ہیں'' (۲) اس کے بعد ساتواں محور ''حکمت وفلسفہ'' کے عنوان سے قائم ہے جس میں حضرت مخدوم مکرم نے اپنے مثالی طرز اسلوب کے زیر اثر ۸؍ مضامین جمع فرمائے ہیں، اسی ضمن میں ایک جگہ بنی نوع انسانی کو مفوضہ امور ربانی اور ارتقائی مراحل کے بیان میں لکھتے ہیں کہ ''دنیا میں امن و

(۱) خامہ گل ریز ص: ۱۹۹ (۲) خامہ گل ریز ص: ۳۸۷

عافیت کے حتمی قیام اور منطقی انجام کار کے اخروی نتائج اور بہر دو عالموں کو صلاح وفلاح کے حوالے سے ہمکنار ہونا اسی وقت ممکن ہے جبکہ عقل انسانی وحی الٰہی کے تابع رہے، مجرد عقل کی یہی تلاش مسلسل از آغاز تا انجام دنیا کے ارتقاء کی خشت اساس ہے، اوج وکمال اور پستی وزوال کے متعدد واقعات سے تاریخ سے بھری پڑی ہے، بنی نوع انسانی ابتدائے آفرینش کی سنگ وآہن اور نباتات وجمادات سے اپنی بنیادی ومعاشرتی ضروریات نیز موسموں کے سرد وگرم تغیرات اور حریف ورقیب، درند ووحوش سے اپنی دفاعی احتیاجات کو پورا کیے جانے کے آغاز سے لیکر آج کے مدہش وحیرت افزائی کے اس دور ارتقاء اور وقوع قیامت تک لمحہ ولحظہ کے انقطاع کے بغیر خالق کائنات کے کامل واکمل علم واختیار اور ارادے کے عکس وپرتو کے وسیلے سے اپنے تفویض کردہ منصب نیابت کے فرائض کو سرانجام دیتے ہوئے ایک جہود مسلسل سے مربوط ہے“(۱) آج دنیا امن وعافیت کی متلاشی ہے، لیکن وہ امن وسکون کے مآخذ اصلی سے نا آشنا ہے، آج ضرورت اس بات کی ہیکہ نسل نو کو اپنے اس دینی وتہذیبی ورثہ سے جوڑا جائے، تاکہ وہ قیام امن کیلئے جاری کوششوں کا حصہ بن کر دنیا کو وحی الٰہی اور پیغام ربانی سے روشناس کرائیں، یہی کام ان مقالات نے اپنی سطح پر انجام دینے کی کوشش کی ہے۔اسی محور کے ذیل میں ”فقہ اسلامی کے ارتقائی نقوش“ کے عنوان سے ”فتاوی دارالعلوم وقف دیوبند“ کیلئے لکھا گیا وقیع مقدمہ بھی قابل ذکر ہے، جو نہ صرف ایک مقدمہ ہے بلکہ شریعت اسلامیہ کا مبسوط، مفصل وجامع بیانیہ بھی ہے، جس میں انہوں نے تشریعی علوم ومعارف اور اس کے اسرار وحقائق کی تفصیلی وحیرت انگیز گفتگو کے ساتھ تکوین وتشریع کو بروئے عمل لانے کے مسلمہ ومربوطہ اصول، مجتہدین کے امتیازات اور ان کے دائرۂ کار، اور پھر اسلام کی جامعیت ہدایت، جامعیتِ احکام، اور پھر جامعیت کے ثمرات کو بیان کرتے ہوئے فقہ اسلامی کی تاریخ، اسکے مصادر اور اس سے استفادہ کے طریقہ پر جس مثالی سحر طراز طرز اسلوب میں گفتگو فرمائی ہے اس سے جہاں ایک طرف نانوتویؒ اسلوب وانداز نظر آتا ہے وہیں طیبیؒ رنگ وآہنگ بھی ان تحریروں میں مستور وپنہاں ہوکر ان تحریروں کو منور کرتا ہے۔آٹھواں اور آخری محور کا عنوان ”علم وآگہی“ ہے جس میں عموماً وقیع مضامین شامل ہیں جو کسی کتاب کیلئے بطور مقدمہ کے لکھے گئے ہیں، جن کی تعداد ۹ ہے، ان میں سے ہر مضمون اور ہر مقدمہ اپنی مثال آپ ہے، اور ہر مقدمہ ایک وقیع مقالہ کی حیثیت رکھتا ہے۔یقینی طور پر یہ بات کہی جاسکتی ہیکہ یہ تمام مضامین روح اسلام سے قریب کرنے، زندگیوں کو بدلنے اور خالص اسلامی معاشرے کی تشکیل میں بے حد ممد ومعاون ہوں گے۔اور ان مضامین ومقالات کے مطالعہ سے یوں محسوس ہوگا کہ یہ مجموعہ گویا بزبان شاعریوں گویا ہو کہ:

”گل ریز میری نالہ کشی سے ہے شاخ شاخ“

۞ ...... ۞ ...... ۞

---

(۱) خامہ گل ریز ص:۴۷۳

**خبرنامہ**

# احوال وکوائف

## دارالعلوم وقف دیوبند کی دوفخریہ اشاعت

گذشتہ ماہ دارالعلوم وقف دیوبند نے اپنی دوفخریہ اشاعت نذر قارئین کی ہیں، جن میں سے ایک دارالعلوم وقف دیوبند کے شعبۂ بحث وتحقیق حجۃ الاسلام اکیڈمی سے شائع ہوئی ''خامۂ گل ریز'' ہے جوکہ دارالعلوم وقف دیوبند کے روح رواں ومہتمم حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب مدظلہٗ کے زریں مقالات ومضامین کا مجموعہ ہے۔ یہ کتاب غیر معمولی ظاہری وباطنی خوبیوں سے آراستہ وپیراستہ ہے۔اس کتاب کے مبسوط تعارف کے لئے تعارف وتبصرہ پر مشتمل مضمون اس رسالہ میں شامل ہے۔ دوسری پیشکش دارالعلوم وقف دیوبند کا اشاعتی ادارہ مکتبہ دارالعلوم وقف دیوبند کی پہلی فخریہ اشاعت ''ملفوظات حکیم الاسلام'' ہے جو کہ جناب مولانا عبدالبصیر صاحب، استاذ جامعہ اشرف العلوم کراچی کی ترتیب دادہ ''خطبات حکیم الاسلام'' ودیگر مصنفات حکیم الاسلامؒ سے ماخوذ منتخب، مختصراور ایسے جامع ملفوظات کا مجموعہ ہے جوکہ عوام وخواص ہر ایک کی زندگی کے لئے راہنما ثابت ہوں گے۔

## ادارہ کے سالانہ پروگراموں کی تاریخ کا تعین

ادارہ میں چند ناگزیر پروگرام ایسے ہوتے ہیں جن کی اہمیت غیر معمولی ہوتی ہے اور جن کے انعقاد کا شدت سے انتظار کیا جاتا ہے۔ان کی اہمیت کے پیش نظر ادارہ قبل از وقت اہتمام کرتا ہے تاکہ متمنی شرکت اپنی ترجیحات میں اس موقع پر شرکت کو شامل رکھیں اور علماء کے ارشادات ومواعظ سے مستفید ہوں، ان پروگرام میں سے جلسہ انعامیہ، ختم بخاری شریف اور درسِ مسلسلات کے انعقاد کا اہتمام ہے۔ چنانچہ اسی کے پیش نظر جلسہ انعامیہ کی تاریخ ۲ر فروری ۲۰۲۳ء مطابق ۱۰ر رجب المرجب ۱۴۴۴ھ بروز جمعرات اور ختم بخاری شریف و درس مسلسلات کے لئے ۹ر فروری ۲۰۲۳ء مطابق ۱۷ر رجب المرجب ۱۴۴۰ھ بروز جمعرات کی تاریخ متعین کی گئی ہے۔




## امتحان سالانہ کا اعلان

امتحان سالانہ جو دراصل طلبہ کی سالانہ محنتوں کی جانچ پرکھ کا ذریعہ اور سالانہ محنتوں کا گویا نتیجہ ہوتا ہے، جس کے انعقاد کیلئے ادارہ غیر معمولی اہتمام والتزام کرتا ہے، جس کیلئے قبل از امتحان کی تاریخوں کا اعلان کیا جاتا ہے تاکہ طلبہ اپنی تمام تر توجہات کا مرکز حصول علم کو ہی بنائیں اور اسباق کی پابندی کے ساتھ تکرار و مطالعہ میں مشغول ہوکر امتحان کی تیاریوں میں مصروف رہیں، اور اپنا نظام العمل بھی ان ہی تاریخوں کے اعتبار سے مرتب کریں، اسی کے پیش نظر سال رواں امتحان سالانہ کے انعقاد کیلئے مؤرخہ ۲۰/فروری تا ۶/مارچ ۲۰۲۳ء مطابق ۲۸/رجب المرجب تا ۱۳/شعبان المعظم ۱۴۴۴ھ کی تاریخ متعین کی گئی ہے، امتحانات کی تکمیل کے ساتھ ہی سالانہ تعطیل کا آغاز ہوجائے گا۔

## حضرت شیخ طریقت کی عنقریب ادارہ آمد

مؤرخہ ۲/فروری ۲۰۲۳ء مطابق ۱۰/رجب المرجب ۱۴۴۴ھ بروز جمعرات دارالعلوم وقف دیوبند میں سالانہ جلسہ انعامیہ کا انعقاد کیا جارہا ہے، جس میں شیخ طریقت عارف باللہ حضرت مولانا قمرالزماں صاحب الہ آبادی (امین عام دارالمعارف، الہ آباد) خلیفہ مجاز حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ الہ آبادی بطور خاص تشریف لارہے ہیں، اس موقع پر حضرت کا خصوصی خطاب بھی ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

## تعمیری سرگرمیاں

دارالعلوم وقف دیوبند میں ان دنوں مختلف ناحیوں سے تعمیری سرگرمیاں جاری ہیں، ایک طرف مہمان خانہ کی تعمیر جاری ہے تو وہیں احاطہ مسجد کا تعمیری عمل بھی آخری مرحلے میں ہے، دو منزلہ مہمان خانہ کی تعمیر کے لئے بنیاد کی تکمیل کے بعد پہلی منزل کے لئے پلر نصب کئے جاچکے ہیں، اطیب المساجد کے مرکزی دروازے کے باہر احاطہ مسجد کی تعمیر مکمل ہوچکی ہے، پتھروں کی تنصیب بھی کی جاچکی ہے، مزید تزئینی امور جاری ہیں، نیز احاطہ مسجد میں دیوار (باؤنڈری وال) بھی مکمل ہوچکی ہے۔



# دارالعلوم وقف دیوبند کا تعاون کیسے کریں؟

بانی دارالعلوم دیوبند حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم النانوتوی قدس سرہ نے ادارہ کی ترقی کے لیے جو اصول وضع کئے ہیں ان ہی میں سے ایک یہ ہے کہ دارالعلوم کو توکل علی اللہ اور عوامی چندے سے چلایا جائے اور اس کے لیے خاص طور پر غریب طبقہ کی طرف رجوع کیا جائے۔ اس لیے جو اہل خیر حضرات دارالعلوم وقف دیوبند کو اپنے عطیات، زکوٰۃ اور صدقات کی رقوم ارسال کرنا چاہتے ہیں ان سے درخواست ہے کہ:

اپنے حلقوں میں پہنچے ہوئے سفراء کرام (جن کے پاس دارالعلوم وقف دیوبند کا شناختی کارڈ ہو) کو رقومات دے کر رسید حاصل کرلیں۔ منی آرڈر، ڈرافٹ یا چیک کے ذریعہ اپنی رقومات براہ راست ارسال کرسکتے ہیں۔ وصولیابی کے بعد رسید ارسال کردی جائے گی۔ اگر براہ راست بینک اکاونٹ میں رقم جمع کرتے ہیں تو بذریعہ ای میل مطلع کردیں تاکہ اس کی تصدیق کر کے رسید ارسال کردی جائے۔

**نوٹ:** دارالعلوم وقف دیوبند کے چندہ دہندگان 80-G کے تحت انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہیں۔

## تمام اکاؤنٹس کی تفصیلات

دارالعلوم وقف دیوبند کے کرنٹ اکاؤنٹس یونین بینک آف انڈیا، کارپوریشن بینک اور ایچ، ڈی، ایف، سی بینک میں ہیں، جن کی تفصیلات درج ذیل ہیں:

**UNION BANK OF INDIA**

| | | |
|---|---|---|
| (1) ACCOUNT TITLE | : | DARUL ULOOM WAQF |
| ACCOUNT NUMBER | : | 372901010014039 |
| BANK | : | UNION BANK OF INDIA (DEOBAND BR) |
| SWIFT CODE | : | UBININ BBMRT |
| IFSC CODE | : | 537292 |

**AXIS BANK**

| | | |
|---|---|---|
| (2) ACCOUNT TITLE | : | DARUL ULOOM WAQF |
| ACCOUNT NUMBER | : | 915010029212886 |
| BANK | : | AXIS BANK (DEOBAND BR) |
| SWIFT CODE | : | AXISINBB |
| IFSC CODE | : | UTIB0002426 |

**HDFC BANK**

| | | |
|---|---|---|
| (3) ACCOUNT TITLE | : | DARUL ULOOM WAQF |
| ACCOUNT NUMBER | : | 50200002786907 |
| BANK | : | HDFC BANK (DEOBAND BR) |
| SWIFT CODE | : | HDFC INBB |
| IFSC CODE | : | HDFC0001974 |

**رابطہ کے لیے**

Maulana Mohammad Sufyan Qasmi
Mohtamim Darul Uloom Waqf Deoband
Near Eidgah, Darul Uloom Waqf Road
Distt. Saharanpur U.P. INDIA Pin-247554

Ph: +91 8439512767
+91 8439412767
Email: rector@dud.edu.in
Website:www.dud.edu.in

RNI UPURD/2010/32139
Postal Regd. No. RNP/SHN/005/ 2020-22

RNI UPURD/2010/32139
Published, Printed and Edited by Mohammad Sufyan Qasmi
on behalf of Darul Uloom Waqf Deoband
Near Eidgah, Moh. Khanqah, P/o Deoband, Distt. Saharanpur (U.P.) &
Printed at Mukhtar Press, Samreen Printers,
Moh. Barziyaul Haq, Deoband (U.P.)

Vol: 15
Issue: 06
Rajab al - Murajjab 1444
Feb 2023



دارالعلوم وقف دیوبند کے چندہ دہندگان ۸۰ جی کے تحت انکم ٹیکس سے مستثنیٰ

आयकर अधिनियम की धारा 80 जी के आधीन कर मुक्त प्रमाण पत्र
न. सी. न. (238)/कर मुक्ति/ आ. आ. मु. नगर/आ. आधि (तफ)/2009-10/9603

Exempted u/s 80G
No (238)/TAX EXEMPT/CIT MZN/I.T.O. (TEC) 2009-10/9603